

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ

توحکم ہوا کہ مار و زمین میں اپنے پاؤں سے، یہ نہانے کا ٹھنڈا چشمہ ہے اور پینے کو (معارف القرآن)

طِبُّ القرآن

تصنیفِ لطیف

عارف باللہ

حضرت حکیم حافظ قاری عبد الغفار ذوقی

مُصطفائی الہ آبادی قدس سرہ العزیز



گلوبل اسلامک مشن

اُرْکُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۳۸:۴۲﴾

توحکم ہوا کہ مار وزمین میں اپنے پاؤں سے، یہ نہانے کا ٹھنڈا چشمہ ہے اور پینے کو (معارف القرآن)

اسلام نے جس کو شیطان کہا ہے، وہ مادۂ
سوداء ہے۔ ہانیمن (Hahnemann)

طِبُّ القرآن

تصنیفِ لطیف

عارف باللہ
حضرت حکیم حافظ قاری عبدالغفار ذوقی
مصطفائی الٰہ آبادی قدس سرہ العزیز

تحریر اوّل: ۲۸ر جنوری ۱۹۶۸ء، یوم یکشنبہ
تحریر دوم: ۲۲ر مئی ۱۹۷۲ء، یوم دوشنبہ

CIM
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

نام کتاب ۔۔۔ طِبُّ القرآن

مصنف ۔۔۔ حکیم عبدالغفار ذوقیؔ مصطفائی الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب ۔۔۔ مراد صدیقی الہ آبادی

کتابتِ اول ۔۔۔ صابر بن ذوقی

ناشرِ اوّل ۔۔۔ مکتبہ ذوقی ﴿ادارہ: بیادِ مقدسہ حکیم ذوقی﴾

۲۸۵۔بی، لطیف آباد نمبر۱۰، حیدر آباد، پاکستان

اشاعت اوّل ۔۔۔ جنوری ۱۹۸۷ء

کمپوزنگ، کتاب ھٰذا ۔۔۔ الناصر پبلی کیشنز و مکتبہ نعیمیہ، کراچی، پاکستان (0300-2080-345)

تزئین و آرائش ۔۔۔ غزالہ احمد ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

ناشرِ دوم ۔۔۔ گلوبل اسلامک مشن، انک ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت ھٰذا ۔۔۔ جولائی ۲۰۱۸ء محرکِ اشاعت ھٰذا: سید صادق حسین صادق

﴿ملنے کے پتے﴾

(۱) ۔۔۔ بزمِ فروغِ ادب، حیدر آباد، پاکستان

سید صادق حسین صادق +92-334-263-0974 سید کاظم حسنی +92-307-303-8015

(۲) ۔۔۔ جامعہ غوثیہ اسلامیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان

سید ریاض علی اشرفی +92-346-298-5267

(۳) ۔۔۔ گلوبل اسلامک مشن، انک ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

GLOBAL ISLAMIC MISSION, INC.

73 Hi View Dr. Wingdale, NY 12594 | USA

www.realmessageofislam.com | gimusa@gmail.com

انتساب

عامل شریعت، شیخ طریقت، بانی سلسلہء مصطفائی، اعلیٰ حضرت
خواجہ سید صبغت اللہ شاہ مصطفیٰ پیر ایرانی رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔کے نام
جن کی صحبتِ فیض اثر سے برِصغیر کے لاکھوں عقیدت مندوں کے
جام قلوب شرابِ معرفت الٰہی سے مسرور و سرشار ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

عنوانات | صفحہ نمبر

عرضِ ناشر و پیش لفظ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم
اَمَّا بَعْدُ۔۔۔فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰:۵۷﴾

اے لوگو! بیشک آ گئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے اور تندرستی امراض سینہ کے لیے اور ہدایت ورحمت مان جانے والوں کے لیے (معارف القرآن)

اللہ ﷻ کا مؤمنین پر عظیم احسان ہے کہ اُس نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہماری ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اور اپنا کلام قرآن کریم ہمیں عطا فرمایا جو۔۔۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔۔۔اور مندرجہ بالا آیت کریمہ کے تحت تمام انسانوں کے لیے نصیحت اور مؤمنین کے امراض سینہ کے لیے شفا و تندرستی اور ہدایت ورحمت ہے۔ اب اس کی نصیحت کو ماننا، اس سے ہدایت ورحمت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو قابل بنانا، اس کی ہدایت پر عمل پیرا ہونا اور اس شفا کے ذریعہ اپنی تمام بیماریوں سے نجات حاصل کرنا، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ صرف بیماریوں کا علاج ہی نہیں بلکہ قرآن کریم وہ کتاب ہے، جس میں ہمارے سارے مسائل کا حل موجود ہے۔ افسوس ہے کہ ہم آج اُنہیں تمام مسائل کا شکار ہیں، جن کا حل قرآن کریم کی صورت میں ہمارے پاس موجود بھی ہے۔ مگر صد افسوس کہ ہم قرآن کریم کی تعلیمات سے اپنے آپ کو بہت دُور لے جا چکے ہیں۔ نہ جانے ہم کبھی اس کی طرف لوٹ پائیں گے کہ نہیں۔

غور و فکر کی استعداد اور دردِ دِل رکھنے والے اشخاص اگر اپنے اطراف پر نظر کریں تو دیکھیں گے کہ سنانے والوں کی تعداد روزانہ ہزاروں کے حساب سے بڑھ رہی ہے اور سننے والوں کی تعداد دن بہ دن گھٹ رہی ہے۔ ہر گلی کوچوں میں سمجھانے والے بے حساب نظر آ رہے ہیں، پر کیا کوئی سمجھنے والا اور عمل کرنے والا بھی ہے؟ کتابیں بہت، نصیحت پکڑنے والے کم۔ دوسروں کو سیدھے راستے پر لگانے کی خواہش کرنے والے زیادہ، اور خود صراطِ مستقیم اختیار کرنے والے کم۔ ذرا نیٹ پر نظر دوڑائیے آئمہ کی تعداد بے حساب، شیخ الاسلام اور شیخ الحدیث لاتعداد، مبلغین و مصلحین بے شمار، مگر قوم کا کردار و مذہبی اور معاشرتی

حالات نا گفتہ بہ۔ کیا کوئی شک باقی رہا کہ ہم یا ہمارا کوئی ایک فرد بلکہ کل معاشرہ شیطان کی زبردست لپیٹ میں نہیں ہے؟ نہ ہم خود شیطان کو پہچان کر اس سے بچ سکے اور نہ دوسروں کو پہچان کرا کے انہیں بچا سکے۔ جسے قرآن نے بار بار واضح طور پر ہمارا 'کھلا ہوا دشمن' فرمایا، اسے ہم نے اپنا 'کھلا ہوا دوست' بنالیا اور ہمارا ہر فرد بمعہ ہمارے مبلغین، مصلحین و مفکرین وغیرہ، نہ جانے کس خام خیالی میں مبتلا ہیں۔

ہم سب اور ہمارا معاشرہ بیمار ہے۔۔۔ جسمانی بیمار، اخلاقی بیمار، روحانی بیمار اور نہ جانے کیا کیا۔۔۔ ہم سب مریض ہیں جبکہ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ آؤ! میرے پاس شفا ہے، میرے پاس تمہاری ہر بیماری کا علاج ہے، تمہارے ہر مسئلے کا حل ہے، بس ایک دفعہ میری طرف آجاؤ، میری تعلیمات کو اپنے دِل و دماغ میں بسالو اور میری نصیحتوں پر عمل کرلو تم صحت مند ہو جاؤ گے، تم شفا پاجاؤ گے اور تمہارا کھویا ہوا وقار اور عزت بھی واپس آجائے گی۔۔۔ مگر یہ شیطان!۔۔۔ کاش ایک دفعہ ہم اپنے آپ کو بھی ذمہ دار قرار دے سکتے ہوتے۔ ہم میں جو بظاہر قرآن کی طرف ہمیں بلاتے ہوئے بھی دکھائی دے رہے ہیں، وہ بھی اپنے خود ساختہ انداز اور اخلاص سے عاری ہونے کی وجہ سے ناکام ہیں اور اگر چند افراد ان کی دعوت سے قرآن کے قریب آبھی جائیں تو کیا کوئی فائدہ ہوگا؟ کون سا انجکشن ہمیں لگا دیا گیا ہے، کون سی نیند ہمیں سلا دیا گیا ہے۔۔یا۔۔ ہم خود ہی مدہوش ہیں اور خود ہی اپنی آنکھیں اور کان حق دیکھنے اور حق سننے اور حق کا ساتھ دینے سے پھیرے بیٹھے ہیں۔ سچ پوچھیے تو ہم نے اپنے آپ کو اس قابل بھی نہیں رکھا کہ ہماری دُعا قبول ہو سکے، کہ اے اللہ! ہمارے حال پر رحم فرما۔

میں نہیں جانتا کہ زیرِ نظر کتاب کس کو اور کتنا فائدہ پہنچائے گی، بس اتنا جانتا ہوں کہ اِس کا ایک ایک لفظ ہمارے لیے مفید ہے اور مجھے ذاتی طور پر اس کو پڑھ کر بہت فائدہ ہوا ہے۔ اِسی لیے اپنی حلال رقم سے اس کو نئے سرے سے شائع کر کے اپنے مسلمان بہن بھائیوں کے لیے پیش کر رہا ہوں کہ شاید حق ظاہر ہونے کے بعد اور شیطان کی اتنی پہچان ہو جانے کے بعد کوئی ایک ہی اگر اپنے بچاؤ کا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو میری محنت کام آجائے گی۔

ہم تو پچھلے چالیس سال سے امریکہ میں رہتے ہیں اور اپنے بھلے کی خاطر دینِ اسلام اور مسلک حقہ کی جتنی بھی خدمت ہو سکتی ہے کرتے رہتے ہیں۔ جناب سید صادق حسین صادق (حیدرآباد، پاکستان) ہمارے ایک ماموں ہیں۔ رشتے میں تو وہ ماموں کہلاتے ہیں، دُور کے ماموں، مگر دِل کے بہت قریب ہیں۔ کچھ عرصہ قبل زیرِ نظر کتاب 'طب القرآن' مجھے پیش کرتے ہوئے اس کو نئے سرے سے شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مصروفیت کی وجہ سے اور اس سے قبل کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے اور پینڈنگ

میں پڑے پراجیکٹس کو مکمل کرنے کی وجہ سے تاخیر ہوگئی مگر اب اس اہم اور قیمتی کتاب کو شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

مصنف محترم حکیم حافظ عبدالغفار ذوقی مصطفائی الہ آبادی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف لطیف بنام 'طِبُّ القرآن' ۱۹۸۷ء میں مکتبہء ذوقی (لطیف آباد، حیدر آباد، پاکستان) سے شائع ہو چکی ہے، جس کے بانیوں میں جناب صابر بن ذوقی (مرحوم)، سید صادق حسین صادقؔ صاحب، اور مضطر ہاشمی (عزیز احمد) صاحب کے نام سرفہرست ہیں۔ سید صادق حسین صادقؔ صاحب اور سید کاظم حسنی صاحب تو آج تک بزم فروغ ادب، حیدر آباد کے تحت مذہبی اور ادبی سرگرمیوں میں ایکٹیو ہیں اور اِس کتاب کی اشاعت و ترسیل کے محرک بھی۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور جو گزر گئے ہیں اُن کے لیے اِس کتاب کو صدقہء جاریہ بنائے۔ (آمین)

جو قارئین حضرات اِس کتاب کو پڑھنا پسند فرمائیں گے وہ اِس کی افادیت کے قائل ہو جائیں گے اور چیدہ چیدہ مقامات پر دی گئی تفصیل سے مصنف محترم کے حالات زندگی بھی اُن کے سامنے آ جائیں گے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ۔۔۔

اِس کتاب سے میں نے جو کچھ سیکھا ہے اگر اُس کو اختصار کے ساتھ بھی 'پیش لفظ' کے تحت تحریر کرنا چاہوں تو اَز خود ایک ضخیم کتاب بن جائے گی اور اُسے کوئی اِس کتاب کے 'پیش لفظ' کے طور پر قبول بھی نہیں کرے گا۔ لہٰذا میں نہایت مشکل صورت حال سے گزرتے ہوئے اپنے چند تاثرات یہاں قلم بند کروں گا۔ اِن شاء اللہ بہت جلد اس کتاب کی تخریج اور تشریح کی سعادت بھی حاصل کی جائے گی۔۔۔ علاوہ ازیں۔۔۔ انگریزی پڑھنے اور سمجھنے والے جسمانی، اخلاقی اور روحانی مریضوں کے لیے اس کتاب کو اِن شاء اللہ انگلش میں بھی پیش کیا جائے گا۔

☆ اِس کتاب کا ایک ایک لفظ ہمیں ہر اعتبار سے بہترین اور اسلامی زندگی گزارنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہزاروں عقدوں کو سلجھا کر جن رازوں کی عقدہ کشائی کی گئی ہے مجھے حیرت ہوتی ہے کہ علم لدنی جب عطا ہوتا ہے تو بندہ کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔

☆ مصنف علیہ الرحمہ نے بیماری کی تعریف اور اس کی حقیقت پر قرآنی ہدایات کے مطابق روشنی ڈالی ہے اور جسمانی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کی طرف قارئین کی توجہ دلائی ہے۔۔۔ انسان کیوں بیمار ہوتا ہے؟ اس کا جواب حاصل کرنے کے لیے آپ نے تمام مروجہ فنون طب کا دروازہ کھٹکھٹایا اور سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے جس کو وسیع النظری و وسیع القلبی سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ آپ کے بیان کے مطابق۔۔۔'فن ایلوپیتھی' نہ اپنے نظریہ وتشخیص میں کامل ہے اور نہ تجویز ومعالجات میں، اور یہی اصل وجہ ہے کہ انسانی معاشرہ روز افزوں بیماریوں میں مبتلا ہوتا چلا جا رہا ہے اور کسی ایک بیماری میں بھی ایلوپیتھ ڈاکٹر کو وہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی جس سے یہ ثابت ہو کہ انسان اُس بیماری سے نجات پا چکا۔

۔۔۔بہت سے قارئین کو یہ بات بڑی حیران کن لگے گی اور شاید وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار بھی نہ ہوں گے مگر آپ فرماتے ہیں۔۔۔ یہ یعنی ایلوپیتھی ایک ایسا گورکھ دھندا ہے جس میں شیطان نے مبتلا کر کے انسان کو صحت وشفا کے سیدھے راستے سے بہکا کر فریب شفا کے اندھے راستے پر ڈال دیا ہے۔

۔۔۔آپ نے 'شفا' اور 'فریب شفا' کے تعلق سے بھی سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

☆ یونانی اور آیورویدک طریقہء علاج کے اصولوں پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ یہ ماننے کو تیار ہیں کہ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ یونانی اور ویدک نے اپنے زمانے میں وہ محیر العقول اور کرشمہ خیز کارنامے انجام دیئے ہیں کہ ایلوپیتھی اپنے اس زمانہء عروج میں بھی اس سے عاجز و درماندہ ہے'' مگر پھر بھی آپ فرماتے ہیں۔۔۔تمام مسلّمات (Accepted Realities) کے باوجود وہ ہمارے سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ انسان کیوں بیمار پڑتا ہے؟ اور جب ہم کہتے ہیں کہ۔۔۔ ہمارے لیے جسمانی بیماریوں کے ساتھ روحانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں (جن کی طرف ہم نے بیماری کی تعریف میں اشارہ کیا ہے) تو آپ کے پاس بخل، حسد، تعصب، ضد، غصہ، جھوٹ، مسلّمات سے گریز اور حقائق سے اِنکار وغیرہ، روحانی بیماریوں کے اسباب وعلاج کیا ہیں؟ تو اِس کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں۔ کیوں کہ انہوں نے اپنے فن کو صرف 'جسمانی علاج' کے لیے مخصوص اور 'ماڈوں کے تغیرات' (mutations/disbalancing of matters) تک محدود رکھا ہے اور اُس اصلی وجہ وسبب تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی ہے جس سے جسمانی اور روحانی دونوں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

☆ ہومیوپیتھی کو وہ قابل قدر نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے اصولوں اور طریقہء علاج پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے موجد ڈاکٹر سیموئیل کرسچن ہینمین کو اُس کی ریسرچ پر داد دیتے ہیں اور اُس کو سراہتے ہوئے انکشاف کرتے ہیں کہ ہینمن نے تمام بیماریوں کی جڑ اور ذمہ دار اُس طاقت کو گردانا ہے جسے مذہب اسلام 'شیطان' کہتا ہے۔ لکھتے ہیں'' کاش وہ مسلمان ہوتا! اور اگر وہ مسلمان تھا جس کا ہمیں علم نہیں تو ہم اِس 'قرآنی نظریہ' کو سامنے لانے اور اس کی صداقت کو ثابت کرنے پر سلام کرتے ہیں اور اُس کی کدوکاوش کی داد دیتے ہیں۔۔۔ یہاں صرف یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہینمن نے اپنی طویل تحقیق میں اس راز کو پا

لیا کہ انسان، شیطان سے مغلوب ہو کر بیمار ہوتا ہے، اگر یہ شیطان کے غلبے سے اپنے آپ کو بچالے تو کبھی بیمار نہ ہو۔ اور اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اگر انسان، شیطان کو مغلوب کر لے تو بیماریوں سے شفا پاسکتا ہے۔ یعنیٰ 'شیطان کا غلبہ' بیماری ہے اور 'مغلوبیت' شفا۔

انسان کو شیطان کو پہچاننے کی کتنی سخت ضرورت ہے اِس کا علم بہت کم انسانوں کو ہے۔ بہت کم انسان جن میں مسلمان بھی شامل ہیں اللہ ﷻ کے بار بار اور کرانے کے باوجود کہ یہ شیطان تمہارا کھلا ہوا اور عظیم دشمن ہے، انہوں نے اِس بات کو اہم نہیں سمجھا اور شیطان کو پہچاننے کی اور اُس کی عداوت کے طریقہء کار کو سمجھنے کی کوشش کرنے کی بجائے اُس کو اپنا کھلا ہوا اور عظیم دوست بنالیا ہے اور آج انسانوں بلکہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مختلف انداز سے اُس کی پیروی اختیار کیے ہوئے ہے۔ اسی لیے کوئی گھر، کوئی قریہ، کوئی شہر اور روئے زمین کا کوئی خطہ اُس کے فتنوں سے محفوظ نہیں ہے۔ اس کتاب نے، اس کے اندازِ تحریر نے، اس کے دلائل نے، کم اَز کم مجھے تو شیطان کو پہچاننے میں مدد کی ہے، اور اب میرے لیے اُس سے بچنا اور اُس سے بچنے کے انتظامات کرنا آسان ہوگیا ہے۔ میرے دِل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ 'مردان امت' جو ہر لحظہ شیطان سے بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔۔یا۔۔کرنا چاہتے ہیں اور ہر تکلیف برداشت کر کے بھی 'صراط مستقیم' پر رہتے اور رہنا چاہتے ہیں اُن کی خدمت میں اگر یہ کتاب شائع کر کے پیش کردی جائے تو ان شاءاللہ وہ بھی جسمانی، اخلاقی وروحانی بیماریوں یعنی شیطان سے بچ کر کامیابی سے پار لگ سکتے ہیں۔

میں اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ اس کتاب کی توجیہہ کو پڑھ کر پہلی مرتبہ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آئی ہے کہ ایک ہی ذات کے دو۲ نام، محمد ﷺ اور احمد ﷺ کیوں ہیں، اور کس صورت میں ان ناموں کا اطلاق اس ایک ذات پر ہوتا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ ہمارے رسول بھی ہیں اور ہمارے امام بھی۔ ذیل میں سینکڑوں باتیں ایسی بھی سمجھ میں آئیں جو آج سے پہلے واضح نہیں تھیں، جن کا ذکر یہاں طول کا باعث ہوگا۔ صفحہ ۵۰ پر 'رسول و امام' کی وضاحت مختصر ہونے کے باوجود سینکڑوں کتابوں سے ہمیں بے نیاز کردیتی ہے اور وہ علم دیتی ہے، جس سے نبی کے مقام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور دِل میں حب مصطفیٰ ﷺ میں پختگی آتی ہے اور بندہ اللہ کے حبیب ﷺ کا قرب حاصل کرلیتا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جناب حافظ حکیم عبدالغفار ذوقی علیہ الرحمہ کی ذات بابرکات کو خراجِ عقیدت پیش کیا جاسکے کہ جو تمام عمر انسانیت کی بھلائی اور ان کی بہتری کے لیے کوشاں رہے، ان کو تمام بیماریوں سے بچانے کے لیے نت نئے تجربات کرتے رہے اور آخر کار قرآن و

حدیث سے ثابت شدہ علاج کو انسانیت کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔۔مزید برآں۔۔ شیطان کو پہچوانے کے لیے قرآنی آیات سمیت عقلی ونقلی دلائل قلمبند کر گئے کہ ایک باشعور انسان آسانی سے اپنے آپ کو جسمانی، روحانی واخلاقی تمام بیماریوں سے بچا سکتا ہے۔۔۔یہ کتاب صراط مستقیم پر چلنے کے لیے بھی اور امت کی اصلاح کرنے اور غیروں میں تبلیغ دین کرنے کا ایک اہم ذریعہ بننے میں بڑی ہی معاون ومددگار ہے۔

ہم نے اس کتاب کو بہتر سے بہتر انداز میں شائع کرنے کی کوشش کی ہے۔فنی اصطلاحات کو آسانی سے سمجھنے کے لیے ان کی انگریزی ساتھ لگا دی گئی ہے، آیات قرآنی کے حوالہ جات دے دیے گئے ہیں اور ان کے تراجم جہاں موجود تھے وہیں رکھے گئے ہیں اور جہاں ضرورت تھی وہاں محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے اردو ترجمہء قرآن بنام 'معارف القرآن' (ناشر: گلوبل اسلامک مشن) سے نقل کر دیے گئے ہیں۔عام قاری کی آسانی کے لیے کچھ مشکل الفاظ کے معنی 'تشریح لغات' کے عنوان سے آخیر میں درج کر دیے گئے ہیں۔

رب تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے ان شاء اللہ اس کتاب کو تشریح کے ساتھ اور ذوقی صاحب مرحوم کی ایک اور شاندار تصنیف 'تجزیہء حیات' کو بھی جلد ہی شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔اللہ ﷻ سے دُعا ہے کہ مصنف محترم کے درجات بلند فرمائے اور اس کتاب کی اشاعت میں جن جن اصحاب واحباب نے، جن کا ذکر ہم اپنی ہر اشاعت میں کرتے رہتے ہیں، جس انداز سے بھی مدد وتعاون فرمایا ہے ان کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔دُعا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ غیب سے ہماری مزید مدد فرما کر ہمیں دین اسلام اور مسلک حقہ کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

امین بجاہ النبی الکریم و آلہٖ و صحابہ اجمعین

طالب دُعا

محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی

چیئرمین: گلوبل اسلامک مشن

مقیم: نیویارک، امریکہ۔

یکم جولائی ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اوّل

والد محترم حضرت حکیم حافظ عبدالغفار ذوقی مصطفائی الٰہ آبادی نے طب کی سند وہاجیہ طبیہ کالج لکھنؤ سے حاصل کی۔ اُس کے بعد الٰہ آباد، باندی کوئی، الور اور حیدرآباد سندھ میں مطب بھی قائم کیے۔ لیکن ابتدا ہی سے ایک ایسے طریقۂ علاج کی تحقیق و جستجو میں سرگرداں رہے جس سے عوام الناس کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کا شافی علاج فطری طریقے پر ممکن ہو سکے۔ بالآخر قدرت نے رہنمائی کی اور انہوں نے ایک مستند طبیب ہونے کے باوجود اپنی عمر کے قیمتی ۳۵ سال مسلسل تحقیق و تجربات کے بعد ساٹھ "۶۰" سال کی عمر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر انسانیت کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر صرف اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کی خاطر 'طبُ القرآن' کے عنوان سے زیرِ نظر کتاب تصنیف کی، جو نہ صرف راسخ العقیدہ مسلم اطبا اور دُنیا کے ہر طریقۂ علاج کے ماہرین کے لیے ایک نادر و نایاب تحفہ ہے، بلکہ باشعور انسان کے لیے مفید و کارآمد ہے، جس کے مطالعے کے بعد مکمل صحت مندی کے ساتھ زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی آ جائے گا اور یہی مصنف کے جذبۂ خلوص کی طاقت اور ذوقِ یقین کی کرامت ہے۔ (وماتوفیقی الاباللہ)

چراغ الٰہ آبادی (مصطفائی)
ایڈیٹر، روزنامہ المصطفیٰ، کراچی
۹، مئی ۱۹۸۳ء

﴿طب القرآن﴾

﴿علاج بالماء﴾

یہ علاج فی الحقیقت قرآنی اور خالص اسلامی علاج ہے اور قرآن و سنت سے اس کی جابجا تصدیق ہوتی ہے جس سے تحصیل سعادت کیا جائے گا۔ اسی لیے اس کا نام طب القرآن رکھا گیا ہے۔ یہ کتاب بنی نوع انسان کے عام استفادے کیلئے ہے۔ اس کتاب کی ہدایات و کلیات کو ذہن نشین کر لینے کے بعد ہر شخص اپنا علاج خود کر سکتا ہے۔

﴿حدیث رسول ﷺ﴾

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "الحمى من فيح جهنم فابردوها بالماء" ۔۔۔۔ ([illegible])

"بخار دوزخ کی آگ ہے اسے پانی سے ٹھنڈا کرو"

﴿عرض حال﴾

یقیناً اس ۶۵ رسالہ زندگی میں انسانیت کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ میرا ایمان ہے کہ انسان سرحدِ انسانیت کو چھو بھی نہیں سکتا جب تک کہ وہ مخلوق کی خدمت کا صحیح حق ادا نہ کر سکے۔ پس میری یہ محرومی ایک دَرد ہے۔ جس کے احساس نے بے چین کر دیا ہے اور اس کے کچھ وجوہ و اسباب ہیں جن پر قابو پانا آسان نہیں۔

افسوس! میں صرف دو ۲ قسم کی خدمتِ خلق انجام دے سکتا تھا۔ مثلاً: کسی مسجد کا پیش امام ہو کر خدمت کرتا، لوگوں کو 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کے ذریعہ صراطِ مستقیم پر لانے اور قائم رکھنے کی کوشش کرتا۔ لیکن آج کی مساجد خداوند قدوس کی سجدہ گاہ نہیں بلکہ عقائد کی دھینگا مشتی کا اکھاڑہ بن کر رہ گئی ہیں --یا-- متولیوں اور اوقاف کی میراث۔ میں نے تجربہ کر کے دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ جب تک میں 'مروجہ عقائد' میں سے کوئی عقیدہ اختیار نہ کروں کسی مسجد میں میرا گزارہ نہیں، اور اگر اُن عقائد میں محصور ہو جاؤں جن میں مسلمان پہلے سے مقید ہیں تو کسی مسجد میں میری ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، کیونکہ اُن کے اپنے عقائد کی معلومات اور کتابیں پہلے سے اُن کے پاس موجود ہیں، میں اُن کو 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کے لیے کون سی معلومات فراہم کر سکتا ہوں۔ اور پھر رواجِ زمانہ نے آج مسلمانوں کو حتیٰ کہ اسلامی علماء کو اپنے خود ساختہ علوم و اعتقاد میں جسے انہوں نے صرف لفظی اور سطحی انداز میں قرآن و سنت کے مطابق سمجھ لیا ہے، کچھ ایسا جکڑ دیا ہے کہ وہ اپنی معلوماتِ تشنہ کے مقابل کسی کی سیر حاصل تحقیق و تشریح سننے تک کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ یہ بھی ماننے کے لیے تیار نہیں کہ یہ چودھویں صدی کا عہدِ 'نشو الکذب' ہے، جس میں انہیں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ بھی تسلیم کرنے کو رضا مند نہیں کہ زمانہ دجال (۱) کی تمام تعریف اسی عصرِ حاضر پر صادق آتی ہے۔ جب قومِ دجال اپنی جنت و دوزخ لے کر سارے زمانے کو اپنے مکر و دجل کے سنہری جال میں گرفتار کرنے کے لیے پھیلتی چلی جائے گی اور مخلص و مخلص مؤمنین کی تعداد اتنی قلیل ہو جائے گی کہ وہ آبادی سے کنارہ کش ہو کر جنگلوں کی راہ لیں گے اور وہاں بھی انہیں اپنا ایمان بچانا مشکل ہو جائے گا۔

---

(۱)۔۔۔ حقیقتِ دجال پر ذوقی صاحب نے اپنی غیر مطبوعہ تصنیف 'تجزیہ حیات' میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ (صابر بن ذوقی)

نوٹ: 'تجزیہ حیات' بعد ازاں شائع ہو چکی اور اب ان شاء اللہ گلوبل اسلامک مشن کی خواہش ہے کہ اسے از سرِ نو شائع کیا جائے۔ (محمد مسعود احمد)

دوسری یہ کہ کوئی مطب قائم کر کے مرضا کی صحت وسلامتی کے متعلق خدمات انجام دیتا۔ لیکن افسوس! اِس راستے پر بھی ہمارا معاشرہ کفر وباطل کی فریب کاریوں میں مبتلا ہو کر صراطِ مستقیم سے اِس درجہ دُور ہٹ چکا ہے کہ سوائے مہدوی اور عیسوی طاقت کے اس کو صحیح راستے پر کھینچ لانا ممکن نہیں۔

میں نے ایک عمر اِس فن کی تحقیق وحصول میں گزاری، اور یہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی عین مہربانی وہدایت تھی کہ اُس نے اِس راستے میں وہ وہ رموز واسرار منکشف کیے کہ جس میں 'ابنائے زمانہ' بلکہ 'حکمائے متقدمین' بھی ساری زندگی الجھے رہے اور کوئی ایک گتھی اُن کے سلجھائے نہ سلجھ سکی۔

(وما توفیقی الا باللہ)

بندۂ ناچیز
حکیم ذوقی مصطفائی

﴿دیباچہ﴾

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایسے اللہ ﷻ کی کیا حمد وثناء بیان کی جاسکتی ہے جس نے انسان ظلوم وجہول کو اپنی فطرتِ خالصہ ومخلصہ پر پیدا کر کے اسلام ایسا دین فطرت عطا فرمایا۔۔۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ﴿۳۰:۳۰﴾ اللہ کی فطرت جس پر پیدا فرمایا لوگوں کو

۔۔۔اور نورِ ایمان کی شمع ہدایت دے کر اپنی صفات کی معرفت بخشی اور وجدان صفات کے ذریعہ اپنے قرب ووصل ذات سے سرفراز فرمایا۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ٥ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ٥ ﴿۸۸،۸۹:۵۶﴾

پھر اگر وہ مرنے والا اللہ کے نزدیکوں سے ہے، تو راحت ہے اور پھول ہے اور راحت کا باغ ہے (معارف القرآن)

۔۔۔اور کس زبان سے شکر ادا کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے اِس انسان ضعیف وناتواں کو اپنی امانت تفویض فرمائی اور بارِ امانت کو اُٹھانے کی طاقت دے کر 'اشرف المخلوقات' کا خطاب عطا فرمایا۔۔۔

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲:۳۳﴾

اور اُٹھالیا اس کو انسان نے، بیشک وہ جفاکش نادان ہے (معارف القرآن)

۔۔۔الحمدللہ، ثم الحمدللہ۔

اور ایسی ذات والا صفات، مظہر موجودات، باعث تخلیق کائنات، حبیب خدا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ رسول اللہ ﷺ کو کیا درود وسلام پیش کیا جاسکتا ہے جس پر خود اللہ ﷻ اپنے فرشتوں کے ساتھ مسلسل ومتواتر، پیہم ومستقل درود وسلام بھیجتا ہے اور بھیجتا رہے گا۔ پس سوائے عجز کے نہ بندگی ہے کہ خدا کو پیش کی جائے، اور نہ فرمانبرداری کہ رسول ﷺ کے حضور میں لائی جائے۔

کیم کہ حرف زنم وثنائے رحمت کل
ہمیں بس است کہ باعتراف عجز آیم

لہٰذا یہ حقیر و فقیر و محجوب اداے کبریائی حکیم، حافظ، قاری عبد الغفار ذوقی مصطفائی الہ آبادی، بہ اظہارِ تشکر و امتنان اپنے تجربات، حقائق اور انکشاف رموز و دقائق کو بیان کر کے اُن علمائے متاخرین و 'اطبائے مستدرجین' کو دعوتِ فکر و عمل دیتا ہے، جنہوں نے قرآن و سنت کا دامن چھوڑ کر اسلام دشمنوں اور فطرت کے غداروں کی تقلید میں ایمان و عافیت اور صحت و سلامتی کی کشتیِ حیات کو غرق کر دیا ہے اور عوام کے ساتھ خود بھی صراطِ مستقیم سے ہٹ کر۔۔۔ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۔۔۔ گویا چوپائے بلکہ وہ زیادہ گئے گزرے۔۔۔ کے مصداق بن گئے ہیں۔ ان کڑوی باتوں میں تریاقِ اعظم ہے اور سخت باتوں میں لطافت کا چشمہ بہہ رہا ہے۔ جو ایمان و یقین کی آنکھوں سے دیکھے گا، دُنیا میں فلاح و نجات پائے گا اور جو ان کڑوے گھونٹوں کو آنکھ بند کر کے پی جائے گا، صحتِ دوام حاصل کرے گا۔

اس چودھویں صدی میں جبکہ باطل نے حق کا لباس پہنا ہے اور جھوٹ نے سچ کی نقاب چہرے پر ڈال لی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل آئینہ کر کے دکھا دیا جائے، تا کہ علماء اور مفکرین مکر و تلبیس کے پھندوں سے نکل کر اپنے نظریات میں صحیح اعتقاد اور عملیات میں صراطِ مستقیم حاصل کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک حق سامنے نہ لایا جائے باطل کا ازالہ ممکن نہیں ہے، اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے حق و باطل کی صحیح تعریف کر کے میزان مقرر کر دی جائے اور اُن اصطلاحات کو اچھی طرح سمجھا دیا جائے جنہیں خلط ملط کر کے کچھ سے کچھ بنا دیا گیا ہے۔ اگر بتوفیقِ ایزدی اُن بنیادی مبادیات کو قرآن و سنت کی روشنی میں الگ الگ بیان کر دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کوئی عقدہ مالا ینحل باقی رہ جائے، اور جسمانی و روحانی گتھیاں سلجھ کر نہ رہ جائیں۔

اگرچہ اس کتاب کا موضوع 'فنِ طب' ہے، لیکن جس طرح اسلام میں مذہب و سیاست، تقلید و امامت، افلاس و امارت، رعیت و حکومت، خادمیت و مخدومیت، سلوک و ہدایت وغیرہ اسلام سے باہر کے موضوع نہیں، اسی طرح طب و حکمت اور امراض و شفا بھی اسلام سے باہر نہیں۔ افسوس! آج اسلام کے نام لیوا اور قرآن و سنت کے مبلغین بھی نفس و ابلیس کے چکر میں مبتلا ہو کر ان تمام موضوعات کو اسلام سے باہر تلاش کرنے لگے ہیں اور کفر و شیطنت کے مکتبوں میں زانوئے اَدب تہ کرنا باعثِ افتخار سمجھ رہے ہیں۔ وہ اسلامی و قرآنی اصطلاحات کو فلاسفۂ یونان اور غیر مسلم محققین کی تعریفات سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود کو اختلاط و تخبط میں مبتلا کر کے صراطِ مستقیم سے دُور تر ہٹتے چلے جا رہے ہیں۔

ہمیں ان موضوعات کے ماتحت جن اصطلاحات سے کام لینا ہوگا، اُن میں صفاتِ سلبیہ، صفاتِ ثبوتیہ، جلال و جمال، قوائے منفیہ و قوائے ایجابیہ، رسول و ابلیس، کفر و اسلام، صحت و مرض، یمین

و یسار، گناہ وصواب، عذاب وثواب، حق وباطل اور حکمت وسائنس وغیرہ الفاظ ہیں، جن کی صحیح اور رائل تعریف کر دینا ضروری ہے تا کہ نفسِ مضمون کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

صفاتِ سلبیہ:۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جن کی نفی کرنا لازم ہے جیسے 'الٰہ' بھی اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے، لیکن جب تک اس میں 'الف لام شخصی' یعنی ذاتی نہ لگایا جائے ماسوا پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے، اس لیے 'صفتِ سلبیہ' کا حامل ہوتا ہے اور اس کی نفی کرنا لازم ہے۔ 'لا الٰہ' اور تمام 'اسمائے صفاتیہ سلبیہ'، وغیرہ۔

صفاتِ ثبوتیہ:۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جن کو ثابت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جیسے اسم، 'اللہ' جو تمام اسمائے صفات کا جامع ہے اور غیر اللہ پر کبھی اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لیے 'صفتِ ثبوتیہ' کا حامل ہے۔ اس سے اِنکار نہیں بلکہ اقرار لازم ہوتا ہے اور ثابت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ 'الا اللہ' اور تمام 'اسمائے صفاتیہ ایجابیہ'۔

جلال:۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا وہ 'نورِ کمال' جس کے برداشت کی طاقت انسان میں نہیں، جیسے 'نصف النہار' کا آفتاب جو نظر جمانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جب یہ نورِ کمال یقین کے ذریعہ ظہور کی طرف مائل ہوتا ہے تو چونکہ بصارتِ انسانی اُسے دیکھنے سے معذور ہو جاتی ہے، اس لیے یہ نور سیاہ اور تاریک نظر آتا ہے اور 'منفی کیفیات' کا حامل ہوتا ہے۔ اسی کو 'غیب الغیب' کہتے ہیں، یہ نفی انسان کے اعتبار سے ہے۔

جمال:۔۔۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ 'نورِ جمال' جو انسان کے لیے قابلِ برداشت ہے۔ یہ نور جب تک ذات کے قرب وبطون میں ہوتا ہے 'غیر مرئی' اور 'غیر حسّی' ہوتا ہے، اس لیے اس کو 'غیب' کہتے ہیں۔ اور جب شیونات کے ذریعہ ظہور کرتا ہے تو 'مرئی اور حسّی' ہو جاتا ہے، اس لیے اس کو 'شہود' کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اس کا احساس صرف قلب وروح کو ہوتا ہے، فرحت وانبساط کی صورت میں۔

قوائے منفیہ:۔۔۔ وہ انسانی اور آفاقی قوتیں جن کا تعلق 'جلال' سے ہے۔ اور چونکہ یہ قوتیں انسان کی برداشت سے باہر ہیں، اس لیے رحمتِ خداوندی نے انسان کو اُن سے بچنے اور دُور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ان میں تمام 'منہیات' داخل ہیں اور وہ اجسام وکیفیات جو 'حرارتِ غریبہ' یا ناریہ سے متعلق ہوتی ہیں۔

قوائے ایجابیہ:۔۔۔ یہ وہ انسانی اور آفاقی قوتیں ہیں جن کا تعلق 'جمال' سے ہے۔ اور چونکہ یہ قوتیں فطرتِ انسانی کے لیے مفید اور مربی ہوتی ہیں، اس لیے ربوبیتِ خداوندی نے ان کو حاصل کرنے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی تاکید فرمائی ہے۔ ان میں تمام 'معروفات' داخل ہیں اور وہ اجسام وکیفیات جو 'حرارتِ عزیزیہ نوریہ' سے متعلق ہیں۔

رسول:۔۔۔ وہ 'مثبت نور' جو خالق ومخلوق کے درمیان 'برزخ کبریٰ' ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سے مخلوق کو کوئی

مثبت کیفیت، طاقت، صفات وافعال میں سے پہنچتی ہے تو اس کا پہنچانے والا بھی یہی نور (رسول) ہے۔ اور جب مخلوق کی کوئی عبادت، دُعا۔۔یا۔۔مناجات بارگاہِ ربوبیت تک پہنچتی ہے تو اس کا پہنچانے والا بھی یہی نور (رسول) ہے۔ یہ نور واحد ہے لیکن اس کے مظاہر لاتعداد ہیں۔

ابلیس:۔۔۔وہ 'منفی ظلمت' جو خالق ومخلوق کے درمیان 'حجابِ اکبر' ہوتی ہے۔ یہ ظلمت خداوند قدوس کی طرف سے ملنے والے تمام 'مثبات' کو مخلوق تک پہنچنے میں مانع اور مخلوق کی عبادات وافعال کو خالق تک پہنچنے میں حارج ہوتی ہے۔ یہ اپنی تاریکی کی وجہ سے 'غیر مرئی' اور 'غیر معروف' ہوتی ہے، اس لیے اس کو 'ابلیس' کہتے ہیں۔

کفر:۔۔۔وہ 'منفی زندگی' جو منفی کیفیات، قویٰ، صفات اور افعال سے خالی ہو، اُس کا تعلق 'ابلیس' سے ہے۔

اسلام:۔۔۔وہ 'مثبت زندگی' جو منفی کیفیات، قویٰ، صفات اور افعال سے خالی ہو، اُس کا تعلق 'رسول' سے ہے۔

صحت:۔۔۔وہ زندگی جو 'مثبت حالت' میں قائم ہو اور دردومصیبت سے دُور ہو، اُس کا تعلق 'رسول' سے ہے۔

مرض:۔۔۔وہ زندگی جو 'منفی حالت' میں مبتلا ہو جائے اور آرام وراحت سے محروم ہو۔ اُس کا تعلق 'ابلیس' سے ہے۔

یمین:۔۔۔ہر شے کا 'دایاں پہلو' جو 'مثبت نتائج' تک رہنمائی کرتا ہے، اُس کا تعلق 'رسول' سے ہے۔

یسار:۔۔۔ہر شے کا 'بایاں پہلو' جو منفی نتائج تک رہنمائی کرتا ہے، اُس کا تعلق 'ابلیس' سے ہے۔

گناہ:۔۔۔(سیئہ) وہ 'منفی صورت، صفت، قویٰ اور افعال' جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی 'عظمت وجلال' کے اُس 'منفی عالَم' میں پہنچا دیتا ہے جسے برداشت کرنے کی انسان کو طاقت نہیں، اُس کا تعلق 'ابلیس' سے ہے۔

صواب:۔۔۔(حسنہ) وہ 'مثبت صورت، صفت، قویٰ اور افعال' جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے 'انوار وجمال' کے اُس 'مثبت عالَم' میں پہنچا دیتا ہے جو انسان کے لیے قابلِ برداشت، مرغوب اور آرام وراحت کا باعث ہوتا ہے، اُس کا تعلق 'رسول' سے ہے۔

عذاب:۔۔۔وہ 'منفی زندگی'، جو انسان کو آرام وراحت سے محروم کردے، اُس کا تعلق 'ابلیس' سے ہے۔

ثواب:۔۔۔وہ 'مثبت زندگی'، جو ادنیٰ رنج وکلفت سے بھی خالی ہو، اُس کا تعلق 'رسول' سے ہے۔

حق:۔۔۔وہ 'مثبت مخلوق' جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو اور اُس کی شکل ومزاج واثرات میں انسان نے تصرف نہ کیا ہو۔ اُس کا تعلق 'رسول' سے ہے۔

باطل:۔۔۔وہ 'منفی مخلوق'، جسے انسان نے اپنے علوم وتجربہ سے اپنی صنعت کو کام میں لاکر کچھ سے کچھ

بنادیا ہو، اُس کا تعلق 'ابلیس' سے ہے۔

حکمت:۔۔۔وہ علم جو صرف 'مثبات'، سے متعلق ہو اور 'منفیات' کے عمل اس میں شامل نہ ہوں، اُس کا تعلق 'رسول' سے ہے۔

سائنس:۔۔۔وہ علم جو صرف 'منفیات'، سے متعلق ہو اور 'مثبات' اس کے عمل میں شامل نہ ہوں، اُس کا تعلق 'ابلیس' سے ہے۔

جس شخص نے اِن اسماء کو اپنی انہی تعریفات سے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی، وہ اُس رازِ حیات کو پانے میں بالضرور کامیاب ہوگا جو اسلام کا حقیقی منشا ہے۔ اور جس نے اِن تعریفات کو پس پشت ڈال دیا وہ بھٹکتا رہ جائے گا۔

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰماً وَّقُعُوْدًا ۔۔۔رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً ﴿۳:۱۹۱﴾

یاد کیا کریں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر اور غور و فکر کریں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔ پروردگار نہیں پیدا فرمایا تو نے اِس کو بے کار (معارف القرآن)

۔۔۔اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی چیز باطل نہیں۔

۔۔۔تو۔۔۔**وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ** ﴿۲:۴۲﴾۔۔۔اور نہ ملاؤ حق کو باطل سے

۔۔۔جب زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کوئی چیز باطل نہیں ہے، تو حق کو باطل کے ساتھ ملانے کے کیا معنیٰ؟۔

جواب:۔۔۔جب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کوئی چیز باطل نہیں ہے، تو لامحالہ وہی چیز باطل ہوگی جو اپنی 'صنعت' میں غیر خدا کی طرف نسبت دی جائے۔ اِس طرح جس چیز کی نسبت اللہ کی طرف ہو وہ حق ہے اور جس چیز کی نسبت بندے کی طرف ہو، یعنی وہ بندے کی مصنوع ہو، وہ باطل ٹھہرے گی۔

پس 'کشف' حق ہے اور 'خیال' باطل۔۔۔، 'فہم' حق ہے 'وہم' باطل۔۔۔، 'فراست' حق ہے 'قیافہ' باطل۔۔۔، 'الہام' حق ہے 'وسواس' باطل۔۔۔، 'اخلاص' حق ہے 'ریاونمود' باطل۔۔۔، 'یقین' حق ہے 'شک' باطل۔۔۔، 'بندگی' حق ہے 'خواہش' باطل۔۔۔، 'اوامر و نواہی' حق ہیں، 'رسم و عادت' باطل۔۔۔، 'کرامت' حق ہے 'مکر و تصنع' باطل۔۔۔، اِسی طرح 'روحانی ترقیاں' حق ہیں اور 'سائنسی ترقیاں' باطل۔ اس دعوے پر مزید دلائل اپنے اپنے مقام پر تلاش کریں۔

اعتراض:۔۔۔اگر ہم موجودہ زمانے میں سائنسی ایجادات سے گریز کریں تو ہماری زندگی دوبھر ہو جائے گی، آخر ہم اس سے کیونکر بچ سکتے ہیں؟۔

جواب:۔۔۔وَلَا تَلْبِسُوا الحَقَّ ۔۔۔میں حق کو باطل کی آمیزش سے بچانے کا حکم ہے نہ کہ باطل کو نیست و نابود کرنے کا۔اس حکم کے ماتحت فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ باطل کو باطل کی جگہ رکھیں اور حق کو حق کی جگہ۔اسی طرح سائنسی ایجادات کا اُن کاموں میں استعمال جو ہماری طرف منسوب ہیں، ممنوع نہ ہوگا۔ہاں! وہ اُمور جن کی نسبت اللہ کی طرف ہے، اُن میں سائنسی ایجادات کا استعمال 'تلبیس بالباطل' قرار پائے گا۔

بندۂ ناچیز
حکیم ذوقی المصطفائی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ابتداء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

سب تعریف اُس خالق کائنات کے لیے مخصوص ہے جس نے اپنی تمام مخلوقات میں انسان کو 'کامل الاستعداد' اور 'فاعل بالاختیار' اور 'غالب علی الاحوال' پیدا فرمایا، اور اپنی 'صفاتِ معکسہ' ودیعت فرما کر اپنا 'خلیفہ' بنایا، اور ارضی وسماوی، جسمانی وروحانی اور لفظی ومعنوی سلطنتوں کی تدبیر وتعمیر کے لیے 'اصول فطرت' کو منظم ومرتب فرما کر انسان کو اُس کا علم بخشا، اور 'تجربات' کو 'دلیل علم' بنا کر انسان کے ایمان ویقین کو روشن فرمایا۔

وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہزار ہزار شکر واحسان اُس ارحم الراحمین خدا کا جس نے مادیات کی تاریکی وجہالت میں اپنے عرفان کا راستہ بتانے کیلئے ہر زمانے اور ہر قوم وملّت میں اپنے نبی، رسول اور رہنما مبعوث فرمائے، اور ہمارے جسم وروح کی 'صحت وسلامتی کے اصول' اور 'دفع منکرات وعوارضات' کے طور طریقے بتادیئے۔

تا ذب یا قلم! ہمارے آقا ومولا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین وخاتم النّبیّین بنا کر قیامت تک کے لیے ہمارے دین ومذہب، تمدّن ومعاشرت اور اخلاق ومعاملات میں ایسا کامل بنادیا جس میں کسی نکتے کی کمی ہے نہ تجدید وازداد کی گنجائش۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَام

تمام پاکیزہ اور بے شمار درود وسلام اُس محبوب رب العالمین اور شفیع المذنبین پر جس نے احکام وفرمانِ خداوندی کو منشائے ایزدی کے مطابق سمجھا، خود کر کے بتایا، اور ہمیں اپنے صاف ستھرے اور اچھوتے راستے پر چلا کر جملہ ملل وادیان سے بے نیاز وسرفراز فرمایا۔

عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یَا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْن

اے اللہ! تُو عالم الغیب والشہادۃ ہے، تُو اچھی طرح جانتا ہے کہ تیرے رسول ﷺ برحق نے اپنے فرائض نبوت ورسالت کو تیری مشیت الوہیت کے مطابق بوجہ الکمال انجام دیا اور ہم گواہی دیتے

ہیں کہ اُس نبی رحمت ﷺ نے تمام دُنیاوی واخروی، جسمانی وروحانی اور نظری وعملی قوانین فطرت کو اپنی شریعت بنا کر ہم تک پہنچا دیا ہے اور روحانی فلاح ونجات کے ساتھ جسمانی صحت وسلامتی کا وہ راستہ بھی دکھایا ہے جس کے علاوہ اور کوئی سیدھا راستہ نہیں۔ اس لیے آپ ﷺ پر وہ درود وسلام بھی نازل فرما جو ہمارے آقا ومولا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے شایانِ شان ہے، اور آپ کے آل واصحاب وازواج مطہرات پر بھی درود وسلام نازل فرما۔

اسلام: یعنی دین کامل۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ ﴿۳:۵﴾

آج (یعنی آپ ہی کے زمانے میں) میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے

تمہارے دین کو، اور تمام کر دی تم پر اپنی نعمت، (ورحمت تمہارے اوپر)

مسلمان کا یہ عقیدہ ہے اور اس آیت کے ماتحت ہونا بھی چاہیے کہ 'دین اسلام' ایک کامل مذہب ہے۔ کامل اُسے کہتے ہیں جس میں 'موضوع' کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہا گیا ہو اور کوئی ایسا گوشہ خالی نہ رہ گیا ہو جسے پُر کرنے کے لیے کسی دوسری جگہ ہاتھ پاؤں مارنے کی ضرورت پیش آئے۔ اگر یہ تعریف صحیح ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے جس طرح 'تزکیۂ نفس'، 'تصفیۂ قلب' اور 'تجلیٔ روح' کے طور طریقے ہم کو بتائے ہیں، ہمارے جسمانی امراض کو دُور کرنے اور اپنی صحت وتندرستی کو برقرار رکھنے کے لیے کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں بتایا جو ہم کو انسان کے خود ساختہ اصول علاج سے بے نیاز کر دے اور اُس کے علماء بیماری کی حالت میں کافروں اور مشرکوں کے طور طریق کے سامنے سر جھکانے پر مجبور نہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ہمارے مذہب کے کامل ہونے کا دعویٰ یکسر باطل ہو جائے گا۔ اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ 'جسمانی معالجات' کا ایک گوشہ جو انسانی زندگی کے لیے اشد ضروری ہے، خالی ہے۔ تو لامحالہ ہمیں 'ازالۂ امراض' کے لیے اسلام سے باہر دوسرے اصولوں، یونانی، ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی وغیرہ سے مدد لینے کی ضرورت ہوگی اور ہم غیروں کے سامنے شفا کی بھیک مانگنے کے لیے دامن پھیلائیں گے اور اپنے اسلام کی تہی دامنی کا رونا روئیں گے کہ ہمارا مذہب 'معالجات' کے معاملے اور اس کے راستے میں عاجز ومجبور ہے۔ اب تم ہماری مدد کرو۔ استغفر اللہ! نہیں، ہمارا دعویٰ صحیح ہے اور قرآن کریم نے صاف الفاظ میں اعلان کیا ہے۔۔۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲:۱۷﴾

ہم نے قرآن سے (وہ انوار وعلوم) نازل کیے ہیں جو اس پر ایمان لانے والوں کے لیے شفا اور رحمت ہیں،

لیکن ظالموں کے لیے (انہیں انوار وعلوم سے) سوائے خسارہ اور نقصان کے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے

'شفا' کا تعلق 'جسمانیات' سے اور 'رحمت' کا تعلق 'روحانیات' سے ہے۔ اس لیے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ قرآن ہی نے جسمانی شفا حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا ہے اور قرآن ہی کے آیات وکلماتِ روحانی رحمت حاصل کرنے کے لیے کافی ہیں جس سے عوارضات دُور ہو جاتے ہیں۔ اور 'قرونِ اولیٰ' کے مسلمانوں نے ان دونوں طریقوں پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق عمل کر کے کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اور وہ کامیابیاں حاصل کی ہیں جو دُنیا کی کسی قوم کسی مذہب کو میسر نہ آسکیں۔ لیکن ہم آج کے مسلمان، رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طور طریق اور علم و تجربہ کو فراموش کر دینے کی وجہ سے جسمانی شفا اور روحانی سکون وثواب سے محروم ہو گئے ہیں۔ اگر ہم آج بھی اُسی 'اصولِ فطرت' کو سمجھنے کی کوشش کریں اور رسول اللہ ﷺ کی سنتِ کاملہ پر عمل پیرا ہوں تو آج بھی ہم وہی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور دوسروں کے سامنے اپنے مذہب کو توہین سے بچا سکتے ہیں۔

اس مختصر کتاب میں جملہ مروجہ اصولِ علاج کا تقابل کرتے ہوئے 'علاج بالماء' سے روشناس کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کی طرف قرآن ہدایت فرماتا ہے:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۳۸:۴۲﴾

اپنا پاؤں زمین پر مارو (یعنی خود اپنا علاج کرو)، یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا

یہ 'ٹھنڈے پانی' کے غسل سے شفا حاصل کرنے کا راستہ ہے۔ جس نے اسے سمجھا اور ایمان لا کر صحیح عمل کیا، وہ بالضرور کامیاب ہوگا۔ قرآنی ہدایت ہونے کی بنا پر اس میں کوئی شک نہیں اور 'تاریخی روایات' کے علاوہ 'موجودہ تجربات' نے اس کو روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے۔

بیماری کیا ہے؟:۔۔۔ ہم اپنے جملہ عوارضات کو صرف انہی ناموں سے پہچانتے ہیں جو خود ہم نے رکھ لیے ہیں، لیکن اسم کبھی کبھی اپنے مسمّٰی کی حقیقت نہیں ہوتا۔ یعنی بخار کا نام لینے سے اُس گرمی کی حقیقت واضح نہیں ہوتی جو ہمارے جسم کو گرم کر رہی ہے۔ اس لیے سب سے پہلے 'بیماری' کی تعریف اور اس کی حقیقت پر قرآنی نظریے کے مطابق روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

تعریف:۔۔۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دارِ عمل میں زندگی و بندگی کا کام سرانجام دینے کے لیے 'مادّہ' اور 'نور' یعنی 'جسم اور روح' کے امتزاج سے ہمارا نفس تخلیق فرمایا اور ہمارے ظاہری و باطنی افعال کو 'صحتِ جسم'، 'اعتدالِ مزاج' اور 'قابلِ عمل' قوتوں پر منحصر فرما دیا۔ پس جو کیفیت وحالت ہماری قوتوں سے ظاہری۔۔۔یا۔۔۔ باطنی افعال کے صدور کو روک دیتی ہے، وہی عارضہ۔۔۔یا۔۔۔ بیماری کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ مثلاً: ہم کھڑا ہونا چاہتے ہیں اور ضعف۔۔۔یا۔۔۔ درد کھڑے ہونے میں مانع ہے۔۔۔یا۔۔۔ کسی کو

دیکھنا۔۔یا۔۔سمجھنا چاہتے ہیں لیکن آنکھ اور ذہن ہماری مدد نہیں کرتے۔۔یا۔۔بڑوں کی عزت، ہم سروں کی مودت اور چھوٹوں پر شفقت کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمارا دِل رجوع نہیں ہوتا۔۔یا۔۔کسی اچھی بات کو تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن ہمارا تعصب، خود غرضی یا کبر و نخوت درمیان میں حائل ہے۔۔یا۔۔فطری ضروریات اور دینی فرائض انجام دینا چاہتے ہیں لیکن ارادے کی کمزوری۔۔یا۔۔نفس کی آرام طلبی و غفلت مانع ہیں۔تو یہ سب بیماریاں ہیں خواہ تکلیف دہ ہوں۔۔یا۔۔بظاہر آرام دہ۔انہیں عوارضات کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ ﴿۲:۱۰﴾

اِن کے دلوں میں بیماری ہے تو بڑھنے دیا انہیں اللہ نے بیماری میں (معارف القرآن)

اس فرمان میں ایک لطیف اشارہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بیماری انسان کے دِل میں پیدا ہوتی ہے اور جب انسان اپنی اُس قلبی بیماری سے آگاہ و خبردار ہو کر اُس کے ازالہ کی طرف رجوع نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اُس بیماری کو مختلف شکلوں اور مختلف اعضاء و قویٰ میں پھیلا دیتا ہے اور یہ لطیف نکتہ بھی ہے کہ بیماری خود انسان پیدا کرتا ہے۔ (یعنی جب وہ اپنی دینی۔۔یا۔۔دُنیاوی امور میں 'خلافِ فطرت' قدم اُٹھاتا ہے تو بطورِ سزا۔۔یا۔۔نتیجۂ فعل بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے)۔

مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ﴿۴۲:۳۰﴾

تمہیں کوئی مصیبت، یعنی تکلیف و بیماری لاحق نہیں ہوتی مگر وہی جو تم اپنے ہاتھوں سے کماتے اور حاصل کرتے ہو

اس نکتہ کے ماتحت یہ سمجھنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بیمار ڈالتا ہے، نہیں! بلکہ بندہ اپنے غلط اقدام کی وجہ سے بیمار ہوتا ہے اور 'شفا' خدا دیتا ہے۔ اِسی نکتہ کو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قول میں ظاہر فرمایا ہے:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۲۶:۸۰﴾ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ (اللہ) مجھے شفا دیتا ہے

۔۔۔یہ نہیں فرمایا کہ اللہ ہی بیمار ڈالتا ہے بلکہ فرمایا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ اللہ ہی شفا دیتا ہے۔

اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے ہمیں بڑی تگ و دَو اور تلاش و تجسس کی ضرورت ہو گی۔اس لیے ہم اِس سوال کو لے کر زمانے کے مروّجہ تمام فنون طب کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور ہر ایک سے پوچھتے ہیں کہ۔۔۔انسان کیوں بیمار ہوتا ہے؟۔۔۔تو آیئے سب سے پہلے ہم 'ایلوپیتھی' کے بلند و بالا آستانوں پر صدا لگائیں اور کامیابی کے بامِ عروج پر رسائی کا دعویٰ کرنے والے ڈاکٹروں سے سوال کریں۔

﴿ ایلوپیتھی ۔Allopathy ﴾

جب ہم اُن ایلو پیتھ ڈاکٹروں سے سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ انسان کیوں بیمار ہوتا ہے؟ تو وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ۔۔۔

۔۔۔ ہر ایک بیماری کے جداگانہ جراثیم ہوتے ہیں، کبھی وہ ہمارے جسم کے کسی حصہ یا خون میں خود ہی پیدا ہو جاتے ہیں یا باہر سے ہمارے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ اور جب وہ ہمارے جسم یا خون میں نشو و نما پاتے ہیں تو وہی تکلیف یا بیماری پیدا کرتے ہیں جس کے وہ جراثیم ہیں اور جو اُن کا خاصہ ہے۔

۔۔۔ یہ ہے ایلو پیتھ ڈاکٹروں کا جواب۔ لیکن جب ہم اُن سے یہ سوال کرتے ہیں کہ۔۔۔ یہ جراثیم کیوں پیدا ہوئے اور انہوں نے ہمارے جسم میں کیوں نشو و نما پائی۔۔۔ تو وہ اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں دے سکتے، نہ اپنے علم سے معلوم کر سکتے ہیں کہ کس عمل نے جراثیم پیدا کیے اور ان کو نشو و نما کی سہولت بخشی۔

خیر! ان سے تو صحیح جواب ملنے کی امید نہیں۔ آیئے ہم خود ہی غور کریں اور دیکھیں کہ جراثیم کیوں پیدا ہوئے۔۔۔ یا۔۔ باہر سے داخل ہوئے تو کس طاقت نے اُن کو ہمارے جسم میں زندہ رکھا اور کس غذا نے اُن کی نشو و نما میں مدد کی۔ تو یہ ایک بدیہی مشاہدہ ہے کہ جب کوئی نالی ایک عرصے تک گندی رہتی ہے اور اُس کی قائم رطوبت پر بیرونی حرارت کا اثر ہوتا ہے تو اُس میں کیڑے (جراثیم) پیدا ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اُن کی پیدائش کا سبب 'مادّی رطوبتِ فاسدہ' اور 'سببِ فاعلی'، 'عارضی حرارت' ہے۔ اگر یہ دونوں بیک وقت نالی پر اثر انداز نہ ہوں تو کیڑوں کی پیدائش ممکن نہ ہوگی۔ اور پیدائش کے بعد یہی 'عارضی حرارت' اُن کی حیات اور 'رطوبتِ فاسدہ' غذا ہونے کی وجہ سے اُن کی نشو و نما میں مدد و معاون ہوتی ہے۔ اگر 'عارضی حرارت' اُن کو نہ ملے تو نشو و نما سے عاجز ہو جائیں گے۔ جب ایک ایلو پیتھ ڈاکٹر کو یہ نالی دکھائی جاتی ہے اور تجویز و تشخیص کی درخواست کی جاتی ہے تو وہ اپنے زرق برق اور صاف ستھرے آلات کے ذریعہ اُن جراثیم کو لے کر اپنی لیبارٹری میں پہنچتے ہیں۔ اُن کی شکلوں کو خوردبین سے بڑا کر کے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن کی خاص شکلوں کو جو نام انہوں نے رکھ چھوڑا ہے، پہچان لینے کے بعد اپنی تشخیص ظاہر کرتے ہیں کہ یہ فلاں بیماری کے جراثیم ہیں اور جب اُن سے تجویز کی درخواست کی جاتی ہے کہ نالی کو اس بیماری سے نجات دیجیے تو وہ نالی کو فنائل۔۔ یا۔۔ کوئی اور جراثیم کش دَوا ڈالنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اور جب نالی میں وہ دَوا ڈالی جاتی ہے تو کیڑے مرجاتے ہیں۔ اور جب اُن میں کوئی حرکت

نظر نہیں آتی تو کہتے ہیں کہ اب نالی میں کوئی کیڑا زندہ نہیں ہے اور نالی کیڑوں سے پاک ہو گئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا نالی گندگی سے بھی پاک ہو گئی ہے۔ تو چونکہ انہوں نے اپنی تشخیص میں گندگی سے کوئی بحث نہیں کی تھی اور ساری طاقت جراثیم کی نوعیت اور 'جراثیم کش دواؤں' کی تحقیق پر صرف کی تھی اس لیے وہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی دانشمند اس نالی کو دیکھتا ہے تو اپنی تشخیص میں جراثیم کی نوعیت و نام معلوم کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ تشخیص یہ کرتا ہے کہ نالی گندی ہے اور تجویز یہ کرتا ہے کہ پانی بہا کر صاف کر دیا جائے۔ تو جب نالی صاف ہو جاتی ہے تو نہ گندگی باقی رہتی ہے اور نہ کیڑوں کا وجود نظر آتا ہے۔

اسی طرح ہمارے جسم میں جو جراثیم پیدا ہوتے ہیں، اس کا سبب ہمارے خون میں 'فاسد مادہ' کی موجودگی ہے۔ ایلوپیتھی علاج سے ان جراثیم کو فنا تو کیا جا سکتا ہے لیکن خون کو 'فاسد مادہ' سے صاف نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان کے اصول میں 'فاسد مادہ' سے کوئی بحث ہی نہیں کی گئی ہے۔ اب اگر باہر سے جراثیم ہمارے جسم میں داخل ہوتے ہیں تو ان کو زندہ رکھنے اور بڑھنے کے لیے 'حرارت غریبہ' اور 'رطوبت فاسدہ' کا ایک وقت موجود ہونا لازم ہے۔ اگر یہ دونوں نہ ہوں تو وہ ہمارے جسم میں آتے ہی خود بخود مر جائیں گے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی فضا میں رہنے اور سانس لینے والے افراد باہر سے یکساں جراثیم حاصل کرتے ہیں، لیکن سب اس بیماری میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ صرف وہ بیمار ہوتے ہیں جن میں 'حرارت غریبہ' اور 'فاسد مادہ' موجود ہو۔

جراثیم کے وجود کو 'اطبائے سلف' نے بھی تسلیم کیا تھا اور وہ 'مادی ذرات' میں حیات کے قائل تھے۔ لیکن انہوں نے جراثیم کو در خور اعتنا نہ سمجھا، کیونکہ جراثیم سے بحث کرنا اپنی بنیادی وجہ کے اعتبار سے لغو محض ہے۔ آپ کیڑوں کا نام کیوں لیتے ہیں اور کیوں کہتے ہیں کہ نالی میں کیڑے پڑ گئے ہیں، ان کو فنا کرنا ہے۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ نالی گندی ہو گئی ہے، اس کو صاف کرنا ہے۔ اگر آپ کیڑوں کا نام لیں گے اور اپنی تشخیص کو ان پر ختم کر دیں گے تو گندگی سے، جو اصل بیماری ہے، آپ کی توجہ ہٹ جائے گی اور راستہ غلط ہو جائے گا۔ اپنے آلات سے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کیجیے کہ کس شکل اور کس نام کے جراثیم پائے جاتے ہیں، بلکہ اس گندگی کو تحقیق کر کے خارج کر دیجیے، مقصد حل ہو جائے گا۔

اس طرح 'فن ایلوپیتھی' نہ اپنے نظریہ و تشخیص میں کامل ہے اور نہ تجویز و معالجات میں اور یہی اصل وجہ ہے کہ انسانی معاشرہ روز افزوں بیماریوں میں مبتلا ہوتا چلا جا رہا ہے اور کسی ایک بیماری میں ایلوپیتھ ڈاکٹر کو وہ کامیابی نصیب نہیں جس سے ثابت ہو کہ انسان اس بیماری سے نجات پا چکا۔

اتنا غور کرنے کے بعد ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ 'فن ایلوپیتھی' کا معالجات میں کوئی ادنیٰ درجہ بھی نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا گورکھ دھندا ہے جس میں شیطان نے مبتلا کر کے انسان کو صحت و شفا کے سیدھے راستے سے بہکا کر فریب شفا کے اندھے راستے پر ڈال دیا ہے۔

لیکن آپ سوال کیے بغیر نہ مانیں گے کہ جب 'ایلوپیتھی' معقول علاج ہی نہیں ہے تو آخر اتنے مریض کیوں اس کے آستانے پر ناک رگڑتے اور شفایاب ہوتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں 'شفا' اور 'فریب شفا' کا سمجھنا ضروری ہے، جو اس مثال سے واضح ہو جائے گا کہ جب ایک شخص کے سر میں 'نزلاوی مادّے' کی وجہ سے دَرد پیدا ہوا تو وہ اسپرو (Aspro/Asprin) کی ایک ٹکیہ کھا کر اپنے دَرد کو فوراً زائل کر دیتا ہے۔ دَرد کیوں ہوا تھا؟ اس اشتباہ کے لیے دماغ میں 'نزلاوی مادّہ' موجود ہے۔ اسپرو کی ٹکیہ نے کیا کیا؟ صرف 'احساسِ دَرد' کو ختم کر دیا۔ 'نزلاوی مادّہ' کی موجودگی میں دَرد بحالہٖ باقی ہے لیکن دَرد کا احساس نہیں ہے۔ اور چونکہ دَرد محسوس نہیں ہوتا، اس لیے مریض خود کہتا ہے کہ میں اچھا ہو گیا۔ اچھا تو اُس وقت ہوتا جب 'نزلاوی مادّہ' دماغ سے خارج ہو جاتا۔ بیماری اپنی جگہ بعینہٖ موجود ہے لیکن مریض اور معالج دونوں سمجھتے ہیں کہ شفا ہو گئی۔ یہی 'فریب شفا' ہے، جو مریض کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جن لوگوں کو اس اصول علاج سے زیادہ تر سابقہ پڑا ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ شفایابی کے دعویٰ کے مقابلہ میں حقیقتاً شفایاب مریضوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، اور دو چار جو صحت یاب ہوتے بھی ہیں تو یہ شفا اُنکی 'قوتِ مدبرۂ بدن' کی کارفرمائی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یعنی اگر وہ علاج نہ بھی کرتے تو خود بخود اچھے ہو جاتے۔ اس لیے حقیقی شفا کو اس راستے میں تلاش کرنا کوئی عقلمندی نہیں۔ ہاں! اگر کوئی ایلوپیتھ اس توضیح کے باوجود اپنا دعویٰ قائم رکھتا ہے تو آیئے کسی معمولی سے معمولی بیماری زکام، نزلہ، قبض، دل کی گرانی اور دماغ کے انتشار کو اپنے علاج سے دُور کر کے سرٹیفکیٹ دیدے کہ جس بیماری کا اُس نے علاج کیا ہے، اُس سے مریض بالکل شفایاب ہو گیا ہے اور آئندہ اُس تکلیف میں مبتلا نہ ہو گا۔

کیا اُس کے لیے یہ آسان ہے؟ نہیں! بلکہ سرٹیفکیٹ دینے کی بجائے وہ اس بات کو امر محال سمجھے گا۔ کہے گا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ بیماری آئندہ نہ ہو۔ ہاں ہاں! شفایابی کے یہ معنی نہیں کہ آج تکلیف جاتی رہے اور زندگی میں بار بار سامنے آ کر مصیبت میں مبتلا رکھے۔ حقیقتہً شفایابی کے یہ معنی ہیں کہ اُس بیماری کو اس طرح ختم کر دیا جائے کہ آئندہ اُس کا احتمال باقی نہ رہے۔ اس کتاب میں اُسی 'اصولِ شفا بخشی' سے بحث کی جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ ایلوپیتھی ہمارے اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے کہ 'انسان کیوں بیمار ہوتا ہے؟'۔ اب آیئے دوسرا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔

یونانی اور آیورویدک

Greek and Ayurvedick Medical System

'طب یونانی' اور' آیورویدک' اَدویاتی اصول کے اعتبار سے ایک ہیں۔ فرق یہ ہے کہ 'ویدک' 'پانچ" مادّوں' کا اعتقاد کرتی ہے: یعنی 'خون'، 'بلغم'، 'سودا'، 'صفرا' اور 'ریاح'۔ لیکن 'طب یونانی' صرف 'چار" مادّوں' سے بحث کرتی ہے، اور 'ریاح' چونکہ 'مادہ بلغم' اور 'سودا' ہی سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے 'ریاح' کو 'بنیادی مادّے' میں شمار نہیں کرتی۔۔۔ نیز۔۔۔ 'ویدک' میں وہ بالخاصہ دوائیں استعمال کی جاتی ہیں جو مزاجاً مادّے کی 'بالمثل' ہوتی ہیں اور یونانی میں 'بالضد'۔

جب ہم اُن سے سوال کرتے ہیں کہ آدمی کیوں بیمار ہوتا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ جب خون، بلغم، سودا اور صفرا میں کمی، زیادتی، جوش۔۔۔ یا۔۔۔ تعفن پیدا ہو جاتا ہے، تو بیماری لاحق ہوتی ہے اور جب اُس کے جوش، کمی، زیادتی اور تعفن کو دُور کر دیا جاتا ہے تو شفا ہو جاتی ہے۔

اور جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ ان مادّوں کی کمی، زیادتی، جوش اور تعفن کی وجہ کیا ہوتی ہے، تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ جب 'قوتِ مدبرۂ بدن' کمزور ہو جاتی ہے اور اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتی تو یہ تغیرات لاحق ہوتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے بعد یہ سوال کیا جائے کہ 'قوتِ مدبرۂ بدن' کی کمزوری۔۔۔ یا۔۔۔ تعطل کی اصل وجہ کیا ہوتی ہے؟ تو اُنکے پاس اس کا تشفی بخش جواب نہیں، اور نہ وہ اس پر بحث کرتے ہیں۔

یہاں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل بیماری 'مادّوں کا تغیر'۔۔۔ یا۔۔۔ 'قوتِ مدبرۂ بدن' کی کمزوری ہی نہیں بلکہ اصل سبب وہ ہے جس نے 'قوتِ مدبرۂ بدن' کو کمزور۔۔۔ یا۔۔۔ معطل کر دیا۔ پس ہمارے سوال کا جواب یہاں بھی حاصل نہیں ہوا اور ہم بیماری کی اُس پہلی بنیادی اینٹ تک نہ پہنچ سکے جس پر 'مادّے کے تغیرات' کی دیواریں اور امراض کی منازل تعمیر پاتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ 'یونانی' اور 'ویدک' نے اپنے زمانے میں وہ محیر العقول اور کرشمہ خیز کارنامے انجام دیے ہیں کہ 'ایلوپیتھی' اپنے اس زمانۂ عروج میں بھی اُس سے عاجز اور درماندہ ہے۔ چنانچہ اطبائے سلف نے نابیناؤں کو بینا، اپاہجوں کو ہٹا کٹا اور بظاہر مُردہ انسانوں کو اپنے دوائی اثرات سے زندہ اور تندرست کیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اُن کے زمانے میں انسان بہت کم بیمار ہوتا تھا اور اپنی بیماریوں کو سہل الحصول اور مستقل طریقے سے زائل کر سکتا تھا۔۔۔ نیز۔۔۔ اُن کو 'جراحی' (Surgery) کے

ظالمانہ عمل کی کم سے کم ضرورت ہوتی تھی۔

اِن تمام مسلّمات (Accepted Realities) کے باوجود ہمارے سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔اور جب ہم کہتے ہیں کہ۔۔۔ہمارے لیے جسمانی بیماریوں کے ساتھ روحانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں (جن کی طرف ہم نے بیماری کی تعریف میں اشارہ کیا ہے) تو آپ کے پاس بخل، حسد، تعصب، ضد، غصہ، جھوٹ، مسلّمات سے گریز اور حقائق سے انکار وغیرہ، روحانی بیماریوں کے اسباب وعلاج کیا ہیں؟، تو اِس کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں۔کیوں کہ انہوں نے اپنے فن کو صرف 'جسمانی علاج' کے لیے مخصوص اور 'مادّوں کے تغیرات' (mutations/disbalancing of matters) تک محدود رکھا ہے اور اُس اصلی وجہ وسبب تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی ہے جس سے جسمانی اور روحانی دونوں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔اِس طرح 'یونانی' اور 'آیورویدک' سے بھی ہمارے سوال کا حقیقی جواب نہیں ملتا۔ہم اُن سے مایوس ہو کر تیسرا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ہومیو پیتھی اور بایو کیمک

(Homoepathy and Biochemic)

یہ دونوں اصول اپنے نظریات میں قریب قریب یکساں ہیں۔ دونوں کی تشخیص 'علامات' پر اور تجویز' بالمثل' ادویات پر منحصر ہوتی ہے۔ ہم جب بایو کیمسٹ (Biochemist) سے پوچھتے ہیں کہ انسان کیوں بیمار ہوتا ہے؟، تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے جسم میں 'بارہ ۱۲ نمکیات' فاعل ہیں، جب اُن میں کمی و زیادتی ہوجاتی ہے تو ہم بیمار ہوجاتے ہیں اور جب اُن کی کمی وزیادتی کو انہیں نمکیات' سے اعتدال پر لے آتے ہیں تو شفا ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر یہ پوچھا جائے کہ اُن 'نمکیات' میں کمی وزیادتی کی وجہ کیا تھی تو اُن کے پاس کوئی جواب نہیں، اور نہ وہ اِس سے بحث کرتے ہیں۔

اگر کسی 'ہومیو پیتھ' سے پوچھا جائے کہ انسان کیوں بیمار ہوتا ہے؟، تو وہ کہتے ہیں کہ بیماری کی وجہ تین ۳ مادّے، 'سورا'، 'سائیکوسس' اور 'سفلس' ہیں۔ جب یہ ہمارے جسم میں پیدا ہوجاتے ہیں تو بیماری لاحق ہوتی ہے۔ وہ 'علامات' کے ذریعہ اُن کی تشخیص کرتے ہیں اور 'علامات' کے ازالہ ہی کو شفا سمجھتے ہیں۔ اب اگر ہم اُن سے پوچھیں کہ یہ 'مادّے' کیوں پیدا ہوئے تو وہ اِس سے کوئی بحث نہیں کرتے۔ اِن دونوں اصولوں میں 'مبادی کلیات' (Basic Formulas) نہایت مختصر اور علمی حیثیت سے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اُن کی ساری عمارت صرف 'تجربے' (Experiment) کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور 'تجربات' کی بنیاد اس لیے ڈانواڈول رہتی ہے کہ ان میں علمی دلائل کی میخیں مضبوط ٹھونکی ہوئی نہیں ہوتیں۔

اِس میں شک نہیں کہ دَواؤں کے اثرات کا تجربہ کرنے اور ایک ایک عضو پر اُن کی 'علامات' کا مشاہدہ کرنے کے اعتبار سے کوئی دوسرا اصول اُن کے سامنے نہیں آسکتا، اور بعض اوقات 'ہومیو پیتھی بالمثل اَدویات' حیرت انگیز کارنامے انجام دیتی ہیں۔ لیکن ان کے تمام تجربات 'علمی یقین' سے عاری ہوتے ہیں اور وہ 'تجربے' کے علاوہ کسی سوال کا علمی جواب نہیں دے سکتے۔ مثلاً: اگر پوچھا جائے کہ 'برایونیا' کے مریض کو زیادہ مقدار میں 'ٹھنڈے پانی' کی پیاس کیوں لگتی ہے اور وہ حرکت میں تکلیف کیوں محسوس کرتا ہے؟۔۔۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس 'کیوں' سے بحث نہیں، ہم یہ جانتے ہیں کہ 'زیادہ پیاس' اور 'حرکت میں زیادتی' بیماری ہے اور وہ 'برایونیا' سے رفع ہوجاتی ہے۔ یعنی وہ مریض کے بیان کردہ علامات کو بیماری سمجھتے ہیں اور یہیں پر اپنی بحث کو ختم کردیتے ہیں۔ یہ 'علامات کا تغیر' انہوں نے اپنے تجربے سے ثابت

کیا ہے۔ تجربے کو عمل اور عمل کو علم کی ضرورت ہے، جب بغیر علم کے عمل ناقص ہوتا ہے تو ناقص عمل سے کامل تجربہ کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہومیو پیتھک اور بایو کیمک اصول میں 'تین [3] مادّوں' اور 'بارہ [12] نمکیات' کے بعد ہر سوال سے گریز کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے ہمیں اس سے بحث نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیماری کا اصل سبب اُن سے پوشیدہ رہ جاتا ہے۔

لیکن نہیں! ہم 'ہومیو پیتھی' کے موجد و بانی ڈاکٹر ہینمن (Dr.Samule C.Hahnemann) (1755-1843) کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے اور بالضرور اُس کی فکری صلاحیتوں کی تعریف کریں گے کہ اپنے فن میں آگے کوئی بحث نہ کرنے کے باوجود اُس نے اپنے قائم کردہ تینوں مادّوں، 'سورا، سائیکوسس اور سفلس' کی تحقیق میں اپنی عمر کا ایک عزیز حصہ صَرف کیا، اور وہ 'موتی' نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیا جو سوائے 'دینِ اسلام' کے اور کوئی نہ لا سکا تھا، اور جس سے اسلام کے علمائے متاخرین لاعلم اور نابینا تھے۔ کاش وہ مسلمان ہوتا! اور اگر وہ مسلمان تھا جس کا ہمیں علم نہیں تو ہم اِس 'قرآنی نظریئے' کو سامنے لانے اور اِس کی صداقت کو ثابت کرنے پر سلام کرتے ہیں اور اُس کی کدو کاش کی داد دیتے ہیں۔

سب سے پہلے ہینمن (Hahnemann) نے 'علمِ ہومیو پیتھی' کا عالم ہونے کے باوجود جراثیمی نظریہ (بکٹیریزم۔Bacterianism) کو معقول نہ سمجھتے ہوئے بطورِ خود یہ سوال کیا کہ۔۔۔ انسان کیوں بیمار ہوتا ہے؟۔ اِس تحقیق میں پہلا انکشاف اُس کو یہ ہوا کہ تین [3] 'فاسد مادّے' (Bad Humours) انسان کے جسم میں پیدا ہو کر بیماری کا سبب بنتے ہیں، اُن تینوں کا نام اُس نے 'سورا، سائیکوسس اور سفلس' رکھا ('سورا' جس سے خارش کے علامات پیدا ہوتے ہیں۔ 'سائیکوسس' جو مسّے اور زوائدات پیدا کرتا ہے، اور 'سفلس'، جس سے آتشکی زخم نمودار ہوتے ہیں)۔

پھر ان مادّوں کی جداگانہ تحقیق میں دوسرا انکشاف یہ ہوا کہ 'سائیکوسس اور سفلس' دراصل مادۂ 'سورا' ہی کی تبدیل شدہ شکلیں ہیں۔ ورنہ دَر حقیقت 'سورا' ہی وہ 'واحد مادّہ' ہے جو انسان کو بیمار ڈالتا ہے۔ یعنی اگر انسان کے جسم میں 'مادّہ سورا' کار فرما نہ ہو تو انسان کبھی بیمار نہیں پڑ سکتا۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اس انکشاف کو اپنی تحقیق کی انتہا قرار دے کر 'یونانی طبیب' اور 'ویدوں' کی طرح مزید تحقیق سے دست بردار ہو جاتا۔ مگر شاباش ہے ہینمن کو کہ اُس نے اپنی تحقیق جاری رکھی اور اس کُرید میں پڑ گیا کہ 'سورا کی حقیقت کیا ہے؟'۔

مگر یہ کام اتنا آسان نہ تھا کہ دنوں اور ہفتوں میں ختم ہو جاتا۔ کسی فنِ طب اور کسی علم و فلسفہ نے اُس کی کوئی مدد نہ کی۔ مگر وہ اپنی دھن میں ہر علم و فن کو کھنگالتا رہا۔ یقیناً اُس نے مذہبی کتابوں میں بھی

سر کھپایا ہوگا اور قرآن کریم کی ورق گردانی بھی کی ہوگی۔ آخر بارہ ۱۲ سال کی انتھک کوششوں کے بعد وہ ایک صحیح نتیجہ پر پہنچا اور اپنی اُس طویل تحقیق اور 'سنہری انکشاف' کو اپنے ایک مختصر جملے میں اَدا کر دیا کہ ۔۔۔'مادّہ سورا وہی ہے جس کو اسلام نے شیطان کہا ہے۔

بادیٔ النظر میں یہ جملہ درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا، اور ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی اُس کی سوانح عمری میں 'اِس جملہ' کو سرسری نظر سے دیکھ کر گزر جاتے ہیں اور 'شیطان' کے معنی 'خبیث' لے کر اپنے ذہن میں یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ چونکہ 'مادّہ سورا' اپنی خباثت کی وجہ سے انتہائی تکلیف دہ چیز ہے، اس لیے ہینمن نے اُس کو 'شیطان' کہہ دیا ہے۔ اور اس طرح وہ ہینمن کی بارہ ۱۲ سالہ محنت پر پانی پھیر دیتے ہیں۔

اس جملہ میں سب سے معنی خیز پہلو لفظ 'اسلام' ہے۔ جب 'شیطان' کا تصور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے تو اُس کا یہ کہہ دینا کافی ہوتا کہ ۔۔۔'مادہ سورا' وہی ہے جس کو 'شیطان' کہتے ہیں۔ اُس نے یہ کہہ کر ہمارے ذہن کو جھنجھوڑ دیا ہے کہ ۔۔۔'جس کو اسلام نے شیطان کہا ہے'۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ 'شیطان' نہیں جسے ہر مذہب میں 'شیطان' کہا جاتا ہے، بلکہ وہ 'شیطان' ہے جسے خصوصیت سے اسلام نے 'شیطان' کہا ہے۔

اب یہ مقام قابلِ غور ہے کہ اسلام نے کس کو 'شیطان' کہا ہے، اور ہم اُسے کیوں کر پہچان سکتے ہیں؟ تو اس کی وضاحت ہم آگے اسلامو پیتھی (Islamopathy) کے بیان میں کریں گے۔

یہاں صرف یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہینمن نے اپنی طویل تحقیق میں اِس راز کو پالیا کہ انسان، شیطان سے مغلوب ہو کر بیمار ہوتا ہے، اگر یہ شیطان کے غلبے سے اپنے آپ کو بچالے تو کبھی بیمار نہ ہو، اور اِس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اگر انسان، شیطان کو مغلوب کر لے تو بیماریوں سے شفا پا سکتا ہے۔ یعنی 'شیطان کا غلبہ' بیماری ہے اور 'مغلوبیت' شفا۔

اب ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ 'شیطان' کا نام لینے کے بعد ہینمن نے اپنے نظریے کو کہاں تک آگے بڑھایا ہے، اور 'شیطان' سے کس طرح متعارف کرایا ہے، تو سوائے اِس ایک جملے کے اور کچھ ہمارے سامنے نہیں آتا کہ ۔۔۔'شیطان بُرے تخیلات سے پیدا ہوتا ہے'۔ اِس سے ہم 'شیطان' کی ذات کو تو نہیں جان سکتے۔ ہاں! اُس کی اِس صفت سے اُس کو پہچان سکتے ہیں کہ جہاں کوئی بُرا خیال واقع ہو، وہیں 'شیطان' کا وجود ماننا پڑے گا۔ لیکن جب ہم ہینمن سے پوچھتے ہیں کہ اس ایک بیماری کا جس کو تم نے 'شیطان' کہا ہے، تمہارے نزدیک علاج کیا ہوگا؟ تو اُس کی تصانیف میں اس کا کوئی واحد علاج نظر نہیں آتا۔ وہ 'مادّہ سورا' کی سرتاج دَوا 'سلفر' (Sulphur) کو سمجھتا ہے، لیکن کہیں یہ نہیں

کہتا کہ 'سلفر' (Sulphur) سے 'شیطان' مغلوب ہوجائے گا اور 'جسمانی بیماریوں' کے ساتھ 'روحانی بیماریاں' بھی شفا پا جائیں گی۔

سوال یہ ہے کہ جب 'اسلامی نظریہ' سے اُس نے اپنی تحقیق میں کامیابی حاصل کی تھی، تو اسلام ہی میں اِس کا علاج کیوں تلاش نہیں کیا؟ ہم یہ تو نہیں جانتے کہ اُس کے راستے میں کون سی چیز مانع ہوئی۔ ہوسکتا ہے اُس کی زندگی نے وفا نہ کی ہو، ہوسکتا ہے کہ اِس طویل تحقیق کے بعد وہ تھک گیا ہو اور اُس کی قوتیں جواب دے گئی ہوں۔۔۔یا۔۔۔ممکن ہے وہ اپنی ایجاد کردہ دَواؤں کے راستے سے اتنا مالوف ہو کہ اُسے ترک نہ کرسکا۔ بہرحال اِس میں شک نہیں کہ وہ بیماری کی بنیادی وجہ معلوم کرنے کے بعد اُس کے بنیادی علاج کا طریقہ معلوم نہ کرسکا، اور لوئی کوہنی (Louis Kuhne,1835-1901) نے، جس کا نظریہ آگے آتا ہے، اپنے خیال کا اظہار اِس جملے میں کیا ہے کہ۔۔۔''ہینمن نے فطرت تک پہنچنے کی کوشش کی تھی مگر پہنچنے سے پہلے اُس کی قوت ختم ہوگئی''۔

۔۔۔اِس طرح ہینمن ہمارے سوال کا تو صحیح اور شافی جواب دیتا ہے مگر صحیح علاج نہیں بتا سکتا۔

اب آیئے لوئی کوہنی سے صحیح علاج معلوم کرنے کی کوشش کریں جس کے سر پر 'علاج بالماء' (Hydropathy) کی ایجاد کا سہرا باندھا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اِس خالص 'اسلامی علاج' کو اِس سے پہلے ایک 'فن' کی حیثیت سے نہ جان سکے تھے۔ اُس نے اِس اصول علاج کی تدوین کی اور ہمیں سیدھے راستے کی طرف اشارہ کیا، لیکن کہیں اُس نے اسلام۔۔۔یا۔۔۔قرآن کا نام نہیں لیا۔ اِس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے، ہم نہیں جانتے، مگر اِس میں شک کی قطعاً گنجائش نہیں کہ جس طرح ہینمن کو قرآن سے مدد ملی تھی، اِسی طرح لوئی کوہنی کو تجویز یعنی 'علاج بالماء' میں قرآن ہی سے مدد ملی ہے۔ اِس کا اعتراف نہ کرنا، یہ دوسری بات ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿ہائیڈروپیتھی﴾

﴿Hydropathy﴾

قبل اس کے کہ ہم تشخیص و تجویز کے متعلق لوئی کو ہنی سے سوال کریں، اُس کی مختصر سوانح عمری پر نظر ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ ہمارا ذہن اس علاج کے پس منظر سے واقف ہو جائے اور اُس کے نظریہ کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ تو لوئی کوہنی کوئی ڈاکٹر۔۔یا۔۔معالج نہیں بلکہ جرمنی کا ایک کارخانہ دار تھا۔ اُس کی ماں 'دبیلۃ الکبد' (جگر کے پھوڑے۔ Liver Tumor) کی مریضہ تھی اور ایک طویل عرصے اسی بیماری اور اُس کے علاج میں گزار کر وقت سے پہلے موت کے منہ میں چلی گئی۔ جب وہ مرنے لگی تو اُس نے اپنے بیٹے لوئی کو ہنی کو آخری وصیت یہ کی کہ۔۔۔ "بیٹا میں نے زندگی بھر اپنی بیماری میں ان ڈاکٹروں پر بھروسا کیا، لیکن یہ مجھے شفا نہ دے سکے، تم ان کا اعتبار نہ کرنا"۔

ماں کے مرنے کے بعد کو ہنی جرمنی سے امریکہ چلا آیا اور ایک کارخانہ کھول کر زندگی گزارنے لگا۔ چونکہ 'دبیلۃ الکبد' کا مادّہ وہ اپنی ماں سے وراثتاً لے کر پیدا ہوا تھا، اس لیے رفتہ رفتہ اُس کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اُسے اپنی ماں کی وصیت یاد تھی، اس لیے ایلوپیتھ ڈاکٹروں سے گریز کرتا تھا۔ اُس زمانے میں بعض مفکرین پانی کی شفا بخشی پر تجربات کر رہے تھے اور اُن کے مضامین رسائل و اخبار میں شائع بھی ہوتے تھے۔ اُس نے بھی تسکین کے لیے پانی سے کام لینا شروع کیا اور اپنی بیماری میں تجربہ کرنے لگا۔

> حیرت ہے انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اپنے علاج میں دوسروں کا محتاج ہے، آخر کیوں؟ جبکہ جانور اپنا علاج از خود بہتر اور فطری طریقے پر کرتا ہے۔

اُس کی طبیعت فطرت کے مطالعہ کی طرف راغب تھی۔ وہ جانوروں کے طبعی تقاضوں اور فطری مشاغل پر غور کرتا ہوا اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان میں بعض جانور دھوپ اور مٹی میں غسل کرتے ہیں، جیسے مرغیاں اور گدھے۔ بعض جانور دھوپ اور پانی میں غسل کرتے ہیں، جیسے کبوتر اور ریچھ۔ اور بعض جانور اپنے بدن کا صرف ایک حصہ پانی میں ڈبو کر تسکین حاصل کرتے ہیں، جیسے کتا۔۔۔نیز۔۔اُس نے دیکھا کہ ہر ایک جنگلی جانور خود اپنا علاج کرتا ہے۔ مثلاً: ہرن زخمی ہو کر بھاگ جاتا ہے تو پانی میں اپنا زخم ڈبو کر درد کو تسکین دیتا ہے اور ٹھنڈی جگہ پر ساکن رہ کر اپنے زخم کو مندمل کر لیتا ہے۔ تو اُس نے سوچا کہ

جب ایک جانور دوسرے کی مدد کے بغیر اپنا علاج آپ کر لیتا ہے تو انسان کیوں نہیں کر سکتا۔ اب اُس نے جسم کو گرم کرنے اور مسلسل ٹھنڈا کرنے کے تجربات شروع کیے اور فوائد حاصل کرتا ہوا اپنے موذی مرض 'ذیابیطس الکبد' کو ہمیشہ کے لیے دُور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس کا طریقہء علاج 'چار۴ غسلوں' (4 Baths) پر موقوف ہے۔ ایک 'غسلِ آفتابی'، (سن باتھ۔ Sun Bath) یعنی دھوپ میں پسینہ لانا۔ دوسرے 'انکباب' (اسٹیم باتھ۔ Steam Bath) یعنی بھاپ سے پسینہ لانا۔ یہ 'دو۲ گرم غسل' ہیں۔ اِن کے فوراً بعد ٹھنڈا غسل ضروری ہوتا ہے۔ جس میں تیسرا 'تغریقِ عانہ' (ہپ باتھ۔ Hip Bath) یعنی ناف سے گنج ران اور نصف رانوں تک خوب ٹھنڈے پانی میں غرق رکھنا۔ چوتھے 'تشویہ غلاف' یعنی (سِٹز باتھ۔ Sitz Bath) جو خصوصاً عورتوں کے لیے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ ان چاروں غسلوں کا طریقہ 'عملیات' کے حصے میں بیان کیا جائے گا۔

ان غسلوں (Baths) کے مسلسل استعمال سے اپنی بیماری میں مستقل کامیابی حاصل کرنے کے بعد اُس نے اپنا کارخانہ ہٹا کر اُس میں ہسپتال کا انتظام کیا اور اُس نے اپنی زندگی، 'مایوس العلاج مریضوں' (Hopeless of Cure) کی شفا ہی میں گزار دی۔ وہ ہر مریض کو ایک گرم اور اُس کے فوراً بعد ایک ٹھنڈا غسل تجویز کرتا۔ اُس کا کہنا ہے کہ کوئی ایسا مریض جس نے ایمانداری کے ساتھ میرے اصول پر عمل کیا، کبھی شفا سے محروم نہیں رہا۔ اُس نے وہ تمام بیماریاں جو ڈاکٹروں کو لرزہ براندام کرنے والی تھیں۔۔۔یا۔۔ ڈاکٹر انہیں دیکھ کر نشتر اور قلم دونوں چھوڑ دیتے تھے، اِس طرح کامیابی کے ساتھ دُور کیں جن کے واپس لَوٹنے کا احتمال تک باقی نہ رہا۔ اور آج بھی وہ تمام بیماریاں جن میں ڈاکٹر عاجز ہو جاتے ہیں۔۔۔یا۔۔ اعضاء کو تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، اِسی ایک علاج سے کامل شفا پا سکتی ہیں۔ اور اس میں شک وشبہ اور تامل کی قطعاً گنجائش نہیں کہ جس کسی نے اِس قدرتی علاج کو، جو دَرحقیقت 'قرآنی علاج' ہے، اختیار کیا اور اِسی پر استقامت کے ساتھ عمل کرتا رہا، وہ ساری دُنیا کے ڈاکٹروں، طبیبوں اور دوسرے معالج سے بے نیاز ہو کر اپنے جسمانی علاج میں کامیاب اور مطمئن ہو گیا۔

لیکن غور یہ کرنا ہے کہ انسان صرف جسم کا نام نہیں بلکہ جسم اور روح دونوں کے آمیزے کا نام انسان ہے، جس طرح جسم کو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، اسی طرح روح کو بھی بیماریاں ہوتی ہیں اور کفر، شرک، اخلاقی بیماریاں، معاشی اور معاشرتی کمزوریاں، صداقت سے گریز، خود غرضی کی طرف میلان، فریب کاری، چوری، زنا، قتل، ڈکیتی اور خودکشی وغیرہ، ہزاروں نام کی وہ روحانی بیماریاں ہیں جو جسمانی تندرستی کے باوجود 'شیطان' کی طرف سے 'روح' کو لاحق ہوتی ہیں۔ اور یہ وہ بیماریاں ہیں جن کا اثر ایک

فرد تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ ساری انسانیت کی تباہی کا باعث بن جاتی ہیں۔ کیا لوئی کو ہنی نے اِن روحانی بیماریوں کو جو جسمانی بیماریوں سے زیادہ خطرناک ہیں، محسوس کیا ہے؟ کیا اِن پر بحث کی ہے؟ اور کیا اِن کے علاج میں کامیاب ہوا ہے؟ یقیناً نہیں۔ کیونکہ اگر وہ اِن روحانی بیماریوں میں کامیاب ہوتا تو اپنی 'کفر' ایسی شدید اور روح کی مہلک بیماری سے نجات پا کر اسلام کا حلقہ بگوش ہو جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ لوئی کو ہنی انسانیت کے جسمانی پہلو کی تشخیص اور اِس کے علاج میں کامیاب ہوا ہے اور انسانیت کا روحانی پہلو اُس سے پوشیدہ ہے۔ ہاں! اگر ایمان و اسلام اُس کی تقدیر میں ہوتا اور وہ اسلامی اٹل نظریات کے سامنے سر جھکا دیتا تو اُسے یہ باطنی پہلو بھی نظر آ جاتا، لیکن۔۔۔

این سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اب اِس مرتبہ یہ 'مرتبہ توضیح' و تشریح کو ذہن نشین کر لینے کے بعد سوائے اِس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم جسمانی اور روحانی علاج کے لیے ایک ایسا راستہ اختیار کریں جو شک و شبہ سے بالاتر ہو اور جس نے عالمِ انسانیت کو اُس 'مرتبۂ شفا' تک پہنچا دیا ہو کہ اُس میں نہ جسمانی بیماری کا وجود باقی ہو نہ روحانی بیماری کا۔ اور جس کے ذریعہ وہ انسانیت کے اُس اعلیٰ ترین مقام پر رسائی حاصل کر چکا ہو جو فرشتوں کی دسترس سے بھی بلند و بالا ہو، تو وہ سوائے اسلام کے اور کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ اب آیئے! ہم 'اسلام' سے پوچھتے ہیں کہ انسان کی جسمانی اور روحانی بیماری کے اسباب کیا ہیں؟ اور اُن کے علاج کا کیا طریقہ ہے؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اسلاموپیتھی-Islamopathy

اب تک ہم نے جو کچھ بیان کیا اور مختلف فنون علاج کا تقابل کر کے اُن کے مراتب کی بلندی و پستی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی، اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم 'اسلامی نظریات' کو سمجھنے کے لیے اپنے ذہن کو آمادہ کریں اور یہ دیکھیں کہ جب اسلام ایک کامل دین ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اُس میں 'صحت حاصلہ' کا قیام اور 'صحت زائلہ' کے استرداد یعنی شفا بخشی کے اصول و قوانین بھی ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں، تو اُس کی اکملیت کا دعویٰ باطل ہوگا۔ اور اگر ہیں، تو علمائے اسلام اور مفکرین مذہب کیوں اُس کے فوائد سے محروم ہیں۔ اور جب بیمار ہوتے ہیں تو 'غیر اسلامی نظریات' کے سامنے سر جھکا کر اپنی کم مائیگی کا رونا روتے اور اسلام کی 'لاشعوری توہین' کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر کوئی عالم غیر مذاہب میں شفا کی امید کرتا اور ازالہ امراض کے لیے انگلینڈ، پیرس اور امریکہ وغیرہ بھاگتا ہے تو گویا وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اُس کا دین، اسلام، جس کا وہ پیرو ہے، اسے شفا دینے میں عاری ہے اور اُس نے یقین کر لیا ہے کہ اس بیماری کا علاج اسلام میں نہیں بلکہ اسلام سے باہر ہے۔ اور جب تک وہ اللہ اور اُس کے رسول سے منہ پھیر کر خدا کے دشمنوں کے سامنے سر نہ جھکائے گا، اسے شفا حاصل نہ ہوگی۔

وہ منہ سے کہتے ہیں کہ ہمارا دین 'کامل' ہے، اور اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ ہمارا دین 'ناقص' ہے، ورنہ وہ اس وقت بھی ہماری مدد کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت میں اس ضروری فن کو تلاش و تحقیق کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ مترجمین کے محدود معانی اور مفسرین کی تشنہ تفسیروں کو حرفِ آخر سمجھ لیا اور اسلام کے ایک گوشۂ دامن کو پکڑ کر پکے اور سچے مسلمان ہونے کا یقین کر بیٹھے۔ وہ 'روحانیات' میں اسلام کے پیرو رہے اور 'جسمانیات و مادیات' میں غیر مسلموں کی تقلید کو اپنا شعار بنا بیٹھے۔ اور جب انہوں نے 'جسمانیات' میں غلط راستہ اختیار کیا تو اُس کی 'روحانیات' بھی برباد ہو کر رہ گئی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان و کرم ہے کہ اُس نے ہمیں معالجات میں سیدھے، سچے اور غیر مشتبہ راستے کی ہدایت فرمائی اور ہمیں توفیق دی کہ ہم اسلام میں 'معالجات' کے وہ اصول و قوانین اور عملیات معلوم کرنے کی کوشش کریں جو منشائے ایزدی کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں اور جس نے اپنے پیروؤں کو تمام ناقص نظریات سے بے نیاز کر دیا ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ ﴿۸۵:۳﴾

جس نے (کسی پہلو میں) سوائے اسلام کے اور کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا،
وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، (یعنی اُس کے لیے قطعاً مفید نہ ہوگا)

اِس اعلان خداوندی کے ماتحت ہم 'معالجات' کے پہلو میں اسلام کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور 'فنِ اسلاموپیتھی' کی تدوین میں تین ۳ جداگانہ عنوانات قائم کرکے ایک مستقل فن کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، یعنی: ۱۔۔۔مبادیات ۲۔۔۔کلیات ۳۔۔۔معالجات

'مبادیات' میں ہم چند ضروری اسلامی اصطلاحات کی تفہیم وتشریح بیان کریں گے جن پر اس فن کا دارومدار ہوگا۔ 'کلیات' میں وہ منقولی اور معقولی نظریات پیش کریں گے جو اس فن کو سمجھنے کے لیے مفید ہوں گے اور ذہن کو استوار کریں گے۔ اور 'عملیات' میں خدا اور رسول ﷺ کے بیان کردہ طریقے سامنے لائیں گے جو شفا کا دروازہ کھولنے اور ہمیں ہلاکت وخسران سے بچانے والے ہوں گے۔۔۔

(وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ)

مبادیات:۔۔۔ اسلام کی 'جملہ اصطلاحات' اپنے معنی کے اعتبار سے 'مخصوص' ہیں اور 'مسلّمات' کا سرچشمہ ہیں۔ یہی 'اصطلاحی کلمات' اسلام سے باہر بھی استعمال کیے جاتے ہیں لیکن کہیں وہ معنی متیقن نہیں ہوتے جو اسلام کا مطمحِ نظر ہیں۔ جب تک ہم ان کے اصطلاحی معنی سے روشناس نہ ہوں، ان کے رواجی معنی کی بھول بھلّیوں سے نہیں نکل سکتے۔ جیسے: جلال وجمال، نور وظلمت، مثبت ومنفی، مقناطیس وکہربا، بشر وجن، رسول وامام، آدم وابلیس، ثواب وعذاب، فلاح وخسران اور امراض وشفا، اِن میں کوئی اصطلاح نئی نہیں ہے۔ تقریباً ہر مذہب میں استعمال کی جاتی ہے، لیکن اِن کے صحیح معنی اور تعارف سے بہت کم اذہان واقف ہیں۔ ہر شخص اِن کو استعمال کرتا ہے مگر اِن سے وہ مفید نتائج حاصل نہیں کرتا جو 'عملِ صالح' کے لیے نورِ ہدایت کے حامل ہوں۔ اس لیے ہم پہلے اِن کے معانی اور تعریفات سامنے لاتے ہیں تاکہ اشکال واقع نہ ہو اور اس فن کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

جلال:۔۔۔ ذاتِ مطلق کی وہ 'قدرتِ قہاریہ' جس کے سامنے آکر جملہ ممکنات کا وجود مضمحل ہو جائے۔ (هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ) (۳۹:۴)۔۔۔وہی ہے ایک اللہ غلبہ والا۔۔۔ اِس کا خاصہ جمعیت میں 'انتشار' یعنی شیونات کا ظہور ہے (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ) (۵۵:۲۹) ہر دن وہ ایک شان میں ہے۔۔۔ اِس کا تقاضا 'اخفاء' یعنی بہرحال پوشیدہ رہنا ہے (كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيًا) میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔۔۔ اِس کی 'حرکت' یعنی ارادے کا ظہور باطن سے ظاہر کی طرف ہوتا ہے (فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ) [1] تو میں نے چاہا ظاہر ہو جاؤں

(۱)۔۔۔حدیث قدسی

۔۔۔اس کی 'غایت' 'ممکنات' کو عدم سے وجود میں لانا ہے (فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ)[1] تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔۔۔'جلال' کی 'قہاریت' 'مزاجِ انسانی' کے لیے نا قابل برداشت ہوتی ہے اس لیے اُسی سے اُس کی پناہ مانگتا ہے۔ (اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْکَ) اے اللہ! میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

جمال:۔۔۔ذاتِ مطلق کی وہ 'صفاتِ کمالیہ' کہ جس کے 'اشتیاقِ ظہور' میں ممکنات کے ہیولا سے 'اولیٰ' کا وجود ثابت ہو۔ (اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ)[2]۔۔۔سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا۔۔۔اور جس کے سائے میں آ کر 'جملہ ممکنات' ظاہر ہوئے (وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ نُوْرِیْ)[2]۔۔۔پھر سب کچھ میرے نور سے پیدا فرمایا۔۔۔اِس کا تقاضا اپنے کمال کو ظاہر کرنا ہے۔ (نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ) ﴿۶۸:۱﴾ ۔۔۔ن، قسم ہے قلم کی اور جو وہ لکھیں۔۔۔اس کا خاصہ 'انتشارِ جمعیت' ہے۔ (ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ) ﴿۵۹:۲۳﴾ ۔۔۔وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی پوجنے کے قابل نہیں۔۔۔اس کی حرکت ظاہر سے باطن کی طرف ہوتی ہے۔ (لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی) ﴿۵۳:۱۸﴾ ۔۔۔بیشک دیکھا اپنے رب کی نہایت بڑی بڑی نشانیاں۔۔۔اِس کا نتیجہ ممکنات کو رجوع کرنا ہے۔۔۔(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ) ۔۔۔راجع الی اللہ کرنا ہے۔۔۔

'جلال' باعتبارِ احدیت وصمدیت وقدامت، 'معبود' ہے۔ اور 'جمال' باعتبارِ خلقت وحدوث، 'عبد اور رسول' ہے۔ اور 'جمال' 'مزاجِ انسانی' کے موافق ومطابق اور باعثِ لذت وسرور ہوتا ہے، اس لیے اس کی طرف مائل وراغب ہوتا ہے۔ (اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رَحْمَۃً مِنْ عِنْدِکَ تَھْدِیْ بِھَا قَلْبِیْ)۔ نیز الوہیت وکبریائی، غرور وتکبر، بے نیازی اور خودسری 'جلال' کا حق ہے۔ اور عبدیت وتخشع، عجز وتواضع، نیازمندی اور فرماں برداری 'جمال' کا فرض ہے۔

نور:۔۔۔'نور' کے معنی 'روشنی' ہیں اور 'روشنی' کو عوام 'مرئی'، یعنی نظر آنے والی چیز سمجھتے ہیں۔ اور جب 'روشنی' میں کوئی چیز نظر آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم 'روشنی' دیکھ رہے ہیں۔ حقیقۃً 'نور' کو 'مرئی' سمجھنا قطعاً غلط ہے۔ یہ 'روشنی' نظر آنے والی چیز نہیں۔ 'روشنی' کی صحیح تعریف یہ ہے:

"جو خود نظر نہ آئے لیکن جس شے پر پڑ جائے اُسے دکھا دے"۔

مثلاً: سورج کی روشنی رات کے وقت آسمان پر یکساں ہوتی ہے لیکن اُس کا جتنا حصہ چاند اور ستاروں پر پڑتا ہے وہ نظر آتے ہیں باقی سارا آسمان تاریک رہتا ہے۔ چاند کا سفر کرنے والے سیاح جب اپنے مفروضہ 'خلا' میں پہنچ جاتے ہیں تو اپنے آپ کو تاریکی میں محسوس کرتے ہیں جبکہ ایک طرف سورج، ایک

(۱)۔۔۔حدیث قدسی (۲)۔۔۔حدیث نبوی

طرف چاند، اور ایک طرف زمین روشن نظر آتی ہے۔ اور اگر خود تجربہ کرنا چاہیں تو بارش کے بعد گرد و غبار سے پاک وصاف فضا میں ایک بڑی ٹارچ کو سرے اوپر کر کے روشن کریں تو فضا میں کوئی روشنی نظر نہ آئے گی۔ لیکن گرد آلود فضا میں روشنی اوپر کی طرف پھیلتی نظر آئے گی، اُس وقت 'روشنی' خود نظر نہیں آتی بلکہ وہ گرد و غبار نظر آتے ہیں جن پر 'روشنی' پڑ رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نور خود نظر نہیں آتا مگر جس پر پڑتا ہے اُسے قابلِ نظر بنا دیتا ہے۔ پس۔۔۔ اَلرَّسُوْلُ نُوْرٌ، اَلْعَقْلُ نُوْرٌ، اَلْقُرآنُ نُوْرٌ، اَلصَّلٰوۃُ نُوْرٌ، اَلشِّفَاءُ نُوْرٌ وغیرہ۔۔۔ تمام وہ 'غیر مرئی' اشیاء واحوال ہیں جو خود نظر نہیں آتیں مگر جب کسی مادّی چیز پر تشعشع کرتی ہیں تو اُسے روشن ومنور کر دیتی ہیں۔

'نور' کا خاصہ انبساط۔ تقاضا، تجلی۔ حرکت، باطن سے ظاہر کی طرف۔ اور غایت، اُس کی لذت وسرور اور راحت وآرام ہے۔ یہ روحِ انسانی کے لیے جاذب ومسکن ہے اور ارواح وملائک کی غذا ہے۔ 'حادث' بھی ہو تو 'حیاتِ ابدی' کی حامل ہے۔ اس کو فنا نہیں، خواہ ظاہر سے باطن کی طرف کیوں نہ سیر کرے۔

ظلمت:۔۔۔ ظلمت کے معنی تاریکی اور اندھیرے کے ہیں جس میں نورِ بصارت کوئی کام نہیں کرتا، اس لیے اس کی تعریف یہ ہوگی:۔۔۔ ''جو نہ خود نظر آئے اور نہ کسی دوسری چیز کو قابلِ نظر بنائے۔ جیسے۔۔۔ اَلنَّارُ ظُلْمَۃٌ، اَلْجِنُّ ظُلْمَۃٌ، اَلشَّیْطَانُ ظُلْمَۃٌ، اَلْکُفْرُ ظُلْمَۃٌ، اَلْعِصْیَانُ ظُلْمَۃٌ، اَلْمَادَّۃُ ظُلْمَۃٌ، اَلْمُصِیْبَۃُ ظُلْمَۃٌ، اَلْاَمْرَاضُ ظُلْمَۃٌ۔۔۔ وغیرہ، 'غیر مرئی' اشیاء واحوال ہیں جو نہ خود نظر آتی ہیں اور نہ کسی مادّی چیز کو روشن ومنور کرتی ہیں۔

'ظلمت' کا خاصہ انقباض۔ تقاضا، پوشیدگی۔ حرکت، ظاہر سے باطن کی طرف۔ غایت، انسان کے لیے کلفت اور رنج وتکلیف ہے۔ یہ مزاجِ انسانی کے لیے مضر اور اضطراب انگیز ہے۔ اجنہ اور شیاطین کی غذا اور دُنیا میں دوزخ کے مترادف ہے۔ 'ظلمت' سے تعلق رکھنے والی تمام اشیاء 'ناری' کہلاتی ہیں، اس لیے انسان کو اُن سے پرہیز کرنا چاہیے اور پناہ مانگنا لازم ہے۔ (رَبَّنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ)۔

مثبت ومنفی:۔۔۔ مثبت اُس طاقت کا نام ہے جو 'نور' سے تعلق رکھتی ہے اور کائنات کی ہر شے کو حیات، بقا اور قیام عطا کرتی ہے۔ اسلام میں اسی مثبت طاقت کو 'خیر' کہا جاتا ہے۔ اور منفی وہ طاقت ہے جو 'نار' سے تعلق رکھتی ہے اور کائنات کی ہر شے سے حیات، بقا اور قیام کو سلب کرتی ہے۔ اسی کو 'شر' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ دونوں طاقتیں 'مثبت ومنفی'، یعنی 'خیر وشر'، 'ذاتِ جلال' سے بجلی کی رفتار، فری کوئنسی کرنٹ، سے کہیں زیادہ 'سریع السریان' ہے اور انہیں دونوں طاقتوں پر کائنات کا انحصار ہے اس لیے اسلام میں

ان دونوں طاقتوں پر ایمان لانا اور اِن کو ذاتِ احد سے منسوب کرنا لازم ہے۔ خَیرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعالٰی۔۔۔ ہر خیر و شر اللہ ہی کی طرف سے ہے۔۔۔

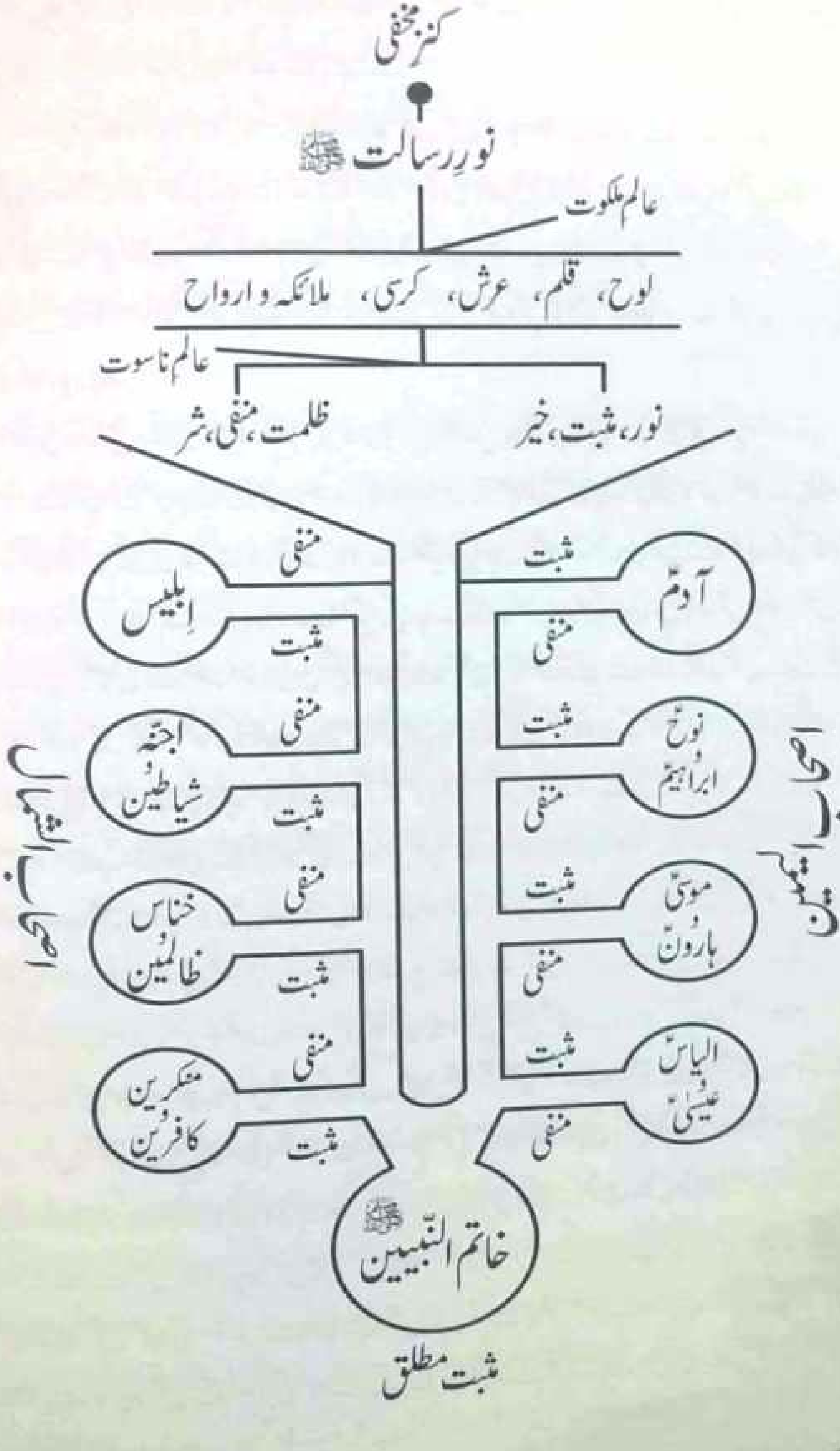
یہ مثبت و منفی (خیر و شر) اگرچہ متضاد طاقتیں ہیں لیکن 'منشائے قادر' نے اِن دونوں کو 'آنِ واحد' اور 'محلِ واحد' میں جمع کر دیا ہے۔ از روئے فلسفہ 'اجتماعِ ضدین' محال ہے، اور محال کو ممکن بنانا قدرتِ خداوندی سے بعید نہیں۔ دیگر اقوام اس 'اجتماعِ ضدین' پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے بھٹک گئی ہیں اور 'ایزد و اہرمن' کا تصور قائم کیا ہے۔ لیکن اسلام نے ہمیں 'خیر و شر' کا صحیح علم عطا کر کے اعمال کے لیے صحیح راستہ دکھا دیا ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۹۹:۷،۸﴾

جس نے خیر کا ادنیٰ عمل کیا وہ اس کا نتیجہ بالضرور دیکھے گا اور جس نے شر کا ادنیٰ عمل کیا وہ بھی اس کا نتیجہ بالضرور دیکھے گا

۔۔۔ یعنی جو عمل 'خیر' کی طاقت اور مثبت پہلو سے اختیار کیا جائے گا، وہ انسان کے لیے مفید نتائج کا حامل ہوگا، اور جو 'شر' کی طاقت اور منفی پہلو سے اختیار کیا جائے گا وہ مُضر اور مہلک نتائج کا حامل ہوگا۔ اس لیے ان دونوں کو تفصیل سے سمجھنا اور ان کی صحیح معرفت حاصل کرنا ضروری ہے، ورنہ عین ممکن ہے کہ 'خیر' کو 'شر' اور 'شر' کو 'خیر' سمجھ کر اعمال کو غلط راستے پر ڈال دیا جائے، جیسا کہ ہمارے موجودہ زمانے میں عمومیت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم یہاں ان کو مفصل اور مشرح بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کے 'خزانۂ مخفی' سے امرِ 'کُن' کے ماتحت جلال و جمال کا ظہور ہوا، تو ایک ہی نور 'جملہ صفاتِ مثبتہ و منفیہ' کا حامل تھا۔ جس کا داہنا پہلو مثبت یعنی 'خیر' اور بایاں پہلو منفی یعنی 'شر' کی صفات کا جامع تھا۔ چنانچہ، لوح و قلم، عرش و کرسی اور سبع سمٰوٰت اِن دونوں طاقتوں کے حامل چلے آئے۔ عالَمِ ملکوت تک صرف 'خیر' کا ظہور رہا اور ان کا منفی پہلو یعنی 'شر' پوشیدہ رہا۔ اس لیے کہ 'شر' کو ظاہر ہونے کے لیے 'مادّی عناصر و اجسام' کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ 'شر' بغیر 'ظلمت و مادّہ' کے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اب جب 'عرشِ اعظم' کے نیچے 'ناسوتی مخلوقات' کا سلسلہ شروع ہوا، تو 'مثبت و منفی' یعنی 'خیر اور شر' دونوں پہلو جداگانہ ظاہر ہوئے اور کائنات کا ہر ذرّہ اِن دونوں پہلوؤں کا بیک وقت حامل ہوتا چلا آیا۔ لیکن جو ذرّہ 'نوری سلسلے' سے تعلق رکھتا ہے، اُس میں 'منفی پہلو' مغلوب ہوتا ہے، اس لیے وہ 'نوری' کہلاتا ہے۔ اور جس ذرّہ کا تعلق 'ظلماتی' سلسلہ سے ہوتا ہے، اُس میں 'مثبت پہلو' مغلوب ہوتا ہے، اس لیے وہ 'ظلماتی' کہلاتا ہے۔ اس دقیق نکتے کو واضح کرنے کے لیے مقابل کے نقشے سے مدد لی گئی ہے۔


کنزِ مخفی
نورِ رسالت ﷺ
عالمِ ملکوت
لوح، قلم، عرش، کرسی، ملائکہ و ارواح
عالمِ ناسوت
نور، مثبت، خیر
ظلمت، منفی، شر
آدمؑ
نوحؑ و ابراہیمؑ
موسیٰؑ و ہارونؑ
الیاسؑ و عیسیٰؑ
اصحابِ یمین
ابلیس
اجنہ و شیاطین
خناس و ظالمین
منکرین و کافرین
اصحابِ شمال
مثبت
منفی
خاتم النبیین ﷺ
مثبت مطلق

'کنزِ مخفی' سے 'نورِ رسالت' کا ظہور ہوا جس نے عالمِ ملکوت میں لوح، قلم، عرش، کرسی، ملائکہ اور ارواح کے 'تعینات' ظاہر کیے۔ اور یہی 'نورِ جامع' جب 'عرشِ اعظم' کے نیچے 'نزولی حالت' میں واقع ہوا تو اُس کے دائیں اور بائیں پہلو الگ الگ ظاہر ہوئے۔ دائیں پہلو سے 'نوری'، یعنی 'مثبت سلسلہ' شروع ہو کر 'خاتم نبوت' پر آ کر ختم ہو گیا۔ اِس 'نوری سلسلے' میں انبیائے وقت اور ان کے ماتحت صلحاء وصدیقین پیدا ہوتے رہے۔ اِس سلسلے کا ہر فرد 'مثبت ومنفی' دونوں طاقتوں کا حامل رہا ہے۔ لیکن چونکہ اُن کی 'منفی طاقت'، 'مثبت سلسلے' کی 'منفی' تھی، اس لیے وہ ہمیشہ مغلوب رہی۔ اِس سلسلے سے تعلق رکھنے والے افراد 'نوری' کہلائے اور اُن کا میلان 'توبہ' کی طرف رہا۔ اُن کی لغزشیں اور خطائیں معاف کر دی گئیں، کیونکہ نورِ رسالت جو 'شفیع المذنبین' بھی ہے، پورے 'سلسلۂ خیر' میں ہمیشہ کارفرما رہا اور ہمیشہ کارفرما رہے گا۔ اگر اس سلسلے کا کوئی فرد لغزش وخطا وعصیان میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی دُنیا میں تنبیہ وتعلیم کے لیے رنج وغم، مصیبت وامراض میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر کے اس حالت سے واپس لوٹتا ہے تو 'نوری سلسلے' سے اُس کا تعلق باقی رہتا ہے۔ اور اگر توبہ کی طرف راغب نہیں ہوتا تو اُس کا تعلق 'نوری سلسلے' سے منقطع ہو کر 'ظلماتی سلسلے' سے پیوستہ ہو جاتا ہے۔

'ظلماتی سلسلہ'، 'خاتم نبوت' کے 'منفی پہلو' سے شروع ہو کر 'ابلیس لعین' پر تمام ہوتا ہے۔ وہ تمام افراد جو 'خاتم نبوت' کے منکر ہوئے، وہ سب اسی 'ظلماتی سلسلے' سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہر فرد کو 'مثبت ومنفی' دونوں طاقتیں حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ اس سلسلے کی 'مثبت طاقت'، 'منفی سلسلے' سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے مغلوب رہتی ہے۔ اور اس سلسلے کے افراد 'ظلماتی اور شرّی' کہلاتے ہیں۔ اُن کا میلان خیر وفلاح اور صلاح وتقویٰ کی طرف نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ انکار، ضد، عصبیت اور شدت میں مبتلا رہتے ہیں اور اسی کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اس پورے سلسلے پر 'شیطانی تلبیس' کارفرما ہوتی ہے۔ اس لیے خود بھی فریب کھاتے اور دوسروں کو بھی فریب دیتے ہیں۔ اُن کی روح بیمار ہوتی ہے اور وہ اپنی بیماری کو صحت وتندرستی جانتے ہیں۔ یہ ظالم ہوتے ہیں اور ان کی رسّی دراز کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتا ہے اور وہ اُسے عافیت سمجھتے ہیں۔ اُن میں سے بعض افراد جو علم وصحبت کی روشنی سے متاثر ہوتے ہیں، وہ 'توبہ' کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور جب اُن کی 'توبہ' قبول ہوتی ہے تو 'ظلماتی سلسلے' سے اُن کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور وہ 'نوری سلسلے' سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت مخدوم خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز نے اسی 'مثبت ومنفی' حالت کو اپنے اس جملے میں واضح فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

اثباتِ آدم ہیں کہ از زیانِ زلّت محو نہ گردد و محوِ ابلیس ہیں کہ اثباتِ طاعت او را سود نداشت

یہ 'مثبت و منفی' پہلو صرف مادّی اجسام ہی میں نہیں بلکہ اقوال، اعمال اور اموال میں بھی پایا جاتا ہے۔ جب انسان اِن تینوں کا 'مثبت پہلو' اختیار کرتا ہے تو 'مثبت نتائج' اور 'منفی پہلو' اختیار کرتا ہے تو 'منفی نتائج' حاصل ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اُن لوگوں کو 'اصحاب الیمین' اور 'اصحاب الشمال' کہا گیا ہے، اور اُن کے نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۙ مَآ أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝ فِى سِدْرٍ مَّخْضُودٍ۔۔۔ الخ ﴿۵۶: ۲۸-۲۷﴾

داہنی طرف والے بھی کیا سعید لوگ ہیں جو بغیر کانٹے کی بیری کے سایے میں آرام کریں گے، اُن کے لیے تہ بہ تہ کیلے لمبا سایا کرنے والی چھاؤں اور چھڑکاؤ کرتا ہوا پانی وغیرہ فردوسی نعمتیں ہوں گی ۔۔۔ اور سورۂ واقعہ رکوع: ۲ میں ہے۔۔۔

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۙ مَآ أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۝ فِى سَمُومٍ وَّحَمِيمٍ ۝
وَّظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيمٍ ﴿۵۶: ۴۴-۴۱﴾

اور بائیں طرف والے کتنے شقی لوگ ہیں جو گرم ہوا، گرم پانی اور دھوئیں کے عذاب میں مبتلا ہوں گے 'ٹھنڈی ہوا'، 'ٹھنڈا پانی' اور 'پرسکون سایا'، 'اصحاب الیمین' کے لیے مخصوص ہے۔ جو لوگ سعید ہیں، وہ ان کی طرف راغب ہوتے ہیں، انہیں پسند کرتے ہیں اور ان میں ان کو آرام ملتا ہے۔ اور گرم ہوا، گرم پانی اور دھوئیں کی گھٹن 'اصحاب الشمال' کے لیے مخصوص ہے، جو لوگ شقی ہیں وہ ان کی طرف راغب ہوتے ہیں، انہیں پسند کرتے ہیں، انہیں میں اُن کو آرام ملتا ہے جو دَر حقیقت 'روح کا عذاب' ہے۔

یہاں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ 'سردی' جو 'زمہریر' کی حد میں داخل نہ ہو، انسان کے لیے جنت کی نعمت ہے۔ اور وہ 'گرمی' جو 'غیر فطری' اور 'اعتدال' سے زیادہ ہو، انسان کے لیے دوزخ کا عذاب۔

پس جو لوگ 'سعید' ہیں وہ اپنے اقوال، اعمال اور اموال میں 'مثبت راستہ' اختیار کرتے ہیں اور یہی اسلام ہے۔ اور جو لوگ 'شقی' ہیں، وہ 'مثبت راستے' کو چھوڑ کر 'منفی راستہ' اختیار کرتے ہیں، یہی کفر، شرک اور اغوا و اضلال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ (اسی کو ہر معاملہ میں قیاس کرنا چاہیے)

قوتِ مقناطیسی اور قوتِ کہربائی:۔۔۔ اس 'مثبت و منفی طاقت' پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے 'قوتِ مقناطیسی' اور 'قوتِ کہربائی' پر غور کرنا ضروری ہے تاکہ ہم اپنے جسم میں مثبت اور منفی اثرات کا صحیح اعتقاد کر سکیں اور 'مثبات' کو حاصل کرنے کے لیے 'منفیات' کو ترک کرنے کی طرف راغب ہوں۔

ممکن ہے سائنس نے 'قوتِ مقناطیسی' اور 'قوتِ کہربائی' کا فرق مابہ الامتیاز واضح کرنے کی

کوشش کی ہو، لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے، سائنس دونوں قوتوں کو 'الیکٹرک' کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے دونوں کے درمیان فرق معلوم کرنے کے باوجود دونوں کو ایک سمجھا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ ایک ایسی غلطی ہے جو صحیح اعتقاد کے درمیان دیوار حائل ہے۔ اس لیے پہلے اِن دونوں کی تعریف کے ساتھ اِن کی 'قوتِ ایجابی' اور 'قوت سلبی' کی تشریح کی جاتی ہے۔

مقناطیس:۔۔۔ وہ 'معدنی پتھر' ہے، جس میں صرف لوہے (Iron) کو جذب کرنے کی زبردست طاقت ہوتی ہے۔ جب کوئی 'حدیدی ذرّہ' (Iron Partical) اِس کے دائرۂ کشش میں آجائے تو وہ کھنچ کر اس سے پیوست ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی کشش اور طاقت 'نباتی ذرّات' پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہ وہ 'منفی طاقت' ہے جو 'کیفیتِ سلبی' کا عمل کرتی ہے، اسی کو 'برقی طاقت' (الیکٹرسٹی۔ Electricity) کہتے ہیں، اِس سے ڈائنامو (Dynamo) کے ذریعہ طاقت اُبھار کر حرکت و روشنی پیدا کی جاتی ہے۔ یہ انسان کے جسم میں 'سلبی اثرات' پیدا کرتی ہے جو 'منفی علامات' کو زائل کرنے کے باوجود 'مثبت علامات' پیدا نہیں کر سکتی۔ یعنی جب کسی بیمار کے جسم میں یہ برقی رو دوڑائی جاتی ہے تو جسم کی 'منفی کیفیت' کو سلب کر کے تکلیف دہ علامات کو وقتی طور پر کم کرتی ہے، جسے بیمار 'افاقہ' سمجھتا ہے۔ لیکن چوں کہ 'مثبت علامات' پیدا نہیں کر سکتی، اس لیے 'منفی علامات' بڑھ جاتے ہیں اور مریض ہلاکت کے قریب آتا جاتا ہے۔

کہربائی:۔۔۔ یہ بھی ایک 'معدنی پتھر' ہے جو بازار میں عام طور سے ملتا ہے۔ جب اِس کو کپڑے یا لکڑی پر رگڑا جاتا ہے تو اس میں ایک کشش پیدا ہوتی ہے جو لوہے (Iron) پر نہیں بلکہ 'نباتی ریشوں' پر اپنا عمل کرتی ہے۔ یعنی جب کوئی 'نباتی ریشہ' اس کی حدِ کشش میں آتا ہے تو کھنچ کر اس سے پیوست ہو جاتا ہے۔ یہ وہ 'مثبت طاقت' ہے جو 'کیفیتِ ایجابی' کی حامل ہوتی ہے، اسی کو 'قوتِ کہربائی' کہتے ہیں۔ اس کو حل کر کے جب بطریقِ دوا انسان کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے تو اپنی 'کہربائی طاقت' سے 'مثبت علامات' پیدا کرتی ہے جو 'منفی علامات' پر غالب آ کر تکلیف کو دُور کرتی اور 'منفی کیفیات' کو اُبھرنے سے روکتی ہے، اس سے مریض مستقل شفا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

جب ہم 'مثبت اور منفی' ۔۔یا۔۔ 'خیر و شر' کی تعریف و حقیقت سے واقف ہو گئے، تو 'خیر و شر' کی ان دونوں طاقتوں کو تجزیہ کر کے بھی دیکھ لینا ضروری ہے جو 'خیر و شر' کے ماتحت 'قوتِ فاعلہ' کی حیثیت سے امورات انجام دیتی ہیں۔ سائنس ہمیں ایسی دو طاقتوں کا سراغ لگا کر بتاتی ہے کہ اُن میں ایک 'معدنیات' پر کارفرما ہوتی ہے لیکن 'نبات' پر اُس کا اثر نہیں ہوتا۔ اس کا نام 'قوتِ مقناطیس' ۔۔یا۔۔ 'الیکٹرک' رکھا گیا ہے۔ اس کا اثر انسان کے جسم پر 'منفی' ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ 'فاعلِ غالب' کی حیثیت سے ہمارے اوپر

اثر انداز ہوتی ہے تو ہماری 'قوتِ فاعلی'۔۔یا۔۔'قوت مدبرۂ بدن' مغلوب ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً ہمارے قویٰ مسلوب ہو جاتے ہیں، اور اگر برداشت سے زیادہ ہو تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ پس الیکٹرک، شراب، اسپرٹ، الکحل اور تمام شرعی اور اخلاقی گناہ اسی 'مقناطیسی' یعنی 'منفی قوت' سے صادر ہوتے ہیں اور ہمارے اندر 'منفی اثرات' کو ترقی دیتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے اُس سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

اور دوسری طاقت 'قوتِ کہربائی' ہے۔ یہ وہ طاقت ہے جو 'معدنیات' پر اثر نہیں کرتی صرف 'نباتات' پر اثر کرتی ہے اور سائنس کے طلبہ یہ کھیل اکثر کھیلتے ہیں کہ اپنے سر کے بھیگے بالوں میں تیزی اور سختی سے کنگھا پھیرتے ہیں تو کنگھے میں ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے جو سوت کے تار۔۔یا۔۔'نباتی ریشوں' کو جذب کرتی ہے۔ یہ 'قوت کہربائی'، 'منفی' نہیں بلکہ 'مثبت' طاقت ہے، کیونکہ جب اس کا اثر ہمارے دماغ۔۔یا۔۔جسم کے کسی حصے پر ہوتا ہے تو 'فاعلی قوت'، یعنی 'مدبرۂ بدن' کو قوت و فرحت حاصل ہوتی ہے جو تکلیف و بیماری اور فساد و گناہ کو دُور کرنے کی طرف حرکت کرتی ہے۔ لیکن چونکہ 'قوتِ کہربائی'، 'قوتِ مقناطیس' کے مقابلے میں 'بطئی الیسرا' اور بہت نرم اثر کرنے والی ہے، اس لیے اس کا نتیجہ رفتہ رفتہ اور غیر محسوس طریقے پر حاصل ہوتا ہے۔ اور 'قوتِ مقناطیس' اس درجہ 'سریع الیسر' ہے کہ اس کا اثر فوراً اور محسوس طریقے پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے سائنس نے اپنی تمام ایجادات میں 'قوتِ مقناطیس' سے کام لیا ہے اور 'قوتِ کہربائی' کو فراموش کر دیا ہے۔ چونکہ سائنس غیب کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، اس لیے وہ صرف اُسی طاقت سے کام لیتی ہے جو محسوس ہو۔

اور اسلام نے 'غیب' پر ایمان لانا لازم قرار دیا ہے، اس لیے وہ اُن صفات و افعال و قویٰ کی طرف رجوع کرتا ہے جن کے اثرات بظاہر نظر نہیں آتے، لیکن اُن کا نتیجہ اچھا حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل، وضو، نماز، روزہ اور تمام نیکیوں کے اثرات جو غیر محسوس طریقے پر 'مثبت اثرات' پیدا کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مقناطیس، 'منفی طاقت' اور 'شیطان'۔۔یا۔۔'اہرمن' سے تعلق رکھتی ہے اور 'قوتِ کہربائی' یعنی 'مثبت طاقت'، 'نور و رحمت' سے وابستہ ہے۔ ان دونوں کا فرق مابہ الامتیاز یاد رکھنے کے قابل ہے کہ 'قوتِ مقناطیسی' 'منفی قوت' ہے جو لوہے پر اثر انداز ہوتی ہے اور 'قوت کہربائی' 'مثبت قوت' ہے جو نباتات پر اثر انداز ہوتی ہے اور 'مثبت علامات' پیدا کرتی ہے۔ اس لیے مقناطیسی طاقت انسان کے لیے مضر اور کہربائی طاقت انسان کے لیے مفید ہے۔ یہ دونوں طاقتیں صرف سنگِ مقناطیس اور 'کہربائے شمعی' میں ہی نہیں بلکہ ہر منفی اشیاء اور اقوال و اعمال میں 'مقناطیسی قوت' اور ہر مثبت اشیاء اور اقوال و اعمال میں 'کہربائی قوت' پائی جاتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ انسان کی ہر تکلیف

'مقناطیسی قوت' سے پیدا ہوتی ہے، اگر یہ 'مقناطیسی قوت' غالب نہ ہو تو انسان کو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی اور انسان کی تمام تر شفا اور راحت اور آرام 'کہربائی طاقت' سے متعلق ہے۔ جب یہ غالب ہو جاتی ہے تو انسان شفایاب ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں 'قوتِ مقناطیسی'، جلال، ظلمت اور شیطنت سے منسوب ہے اور 'قوت کہربائی'، جمال، نور اور راحت سے۔ اگر ان کی معرفت اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے تو اِن کی علامات کو دیکھ کر ہر ذرّہ اور ہر قول و فعل پر مثبت و منفی کا حکم لگانا آسان ہو جاتا ہے، جیسے انگور، تلاوت و نماز 'مثبت' ہیں، اور شراب، گالی اور ایذا رسانی 'منفی'۔ فافھم جداً

اب ہم شیطان کو جو انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے، اچھی طرح دیکھنے اور پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

بشر و جن:۔۔۔ انسانی شکل و شباہت رکھنے والی وہ مخلوق جو مرئی اور محسوس ہو، بشر۔۔یا۔۔انسان۔۔یا۔۔ آدمی کہلاتا ہے۔ یعنی 'بشر' ایسے ظاہری اعضاء اور مخصوص ناک نقشہ رکھنے والی مخلوق ہے جو بہر حال، بہر وقت اور بہر نظر یکساں ظاہر ہو اور اُس میں کوئی اشتباہ نہ پایا جائے۔ 'بشر' جب تک 'مافوق البشریت' تک نہ پہنچے شکل تبدیل کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

انسان جملہ مخلوقات میں سب سے زیادہ کامل، معتدل اور بااختیار مخلوق ہے، اس کے 'اعتدال مزاج' ہی نے اس میں ایسی صلاحیت و استعداد پیدا کر دی ہے جو دوسری کسی مخلوق میں نہیں ہے، اور اسی اعتبار سے وہ 'اشرف المخلوقات' ہے۔ اِسی 'اعتدال مزاج' پر اُس کی انسانیت اور بقاو شفا کا دارومدار ہے۔ جہاں اس کے 'اعتدال مزاج' میں فرق آیا، وہ اپنے 'مرتبہ انسانیت' سے گر جاتا ہے، شفا و صحت اُس سے دُور ہو جاتی اور قیام و بقا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ 'اعتدال مزاج' ۔۔یا۔۔ 'کیفیات' کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ وہ گرمی اور سردی میں 'معتدل' ہو۔۔یا۔۔ 'اخلاقیات' کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ وہ جملہ مخلوق کے اخلاق و عادات میں 'معتدل' ہو۔۔یا۔۔ معاملات کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ وہ 'ہم جنسوں' اور 'غیر جنسوں' کے ساتھ معاملات میں 'معتدل' ہو۔ جس ظاہری۔۔یا۔۔ باطنی پہلو میں اس کا 'اعتدال' فنا ہو گا، وہیں یہ بیماری، مصیبت اور ہلاکت میں مبتلا ہو جائے گا۔ اسلام نے اسی کو اعتدال مزاج پر قائم رکھنے کے لیے ایسے شرعی قوانین نافذ فرمائے ہیں جو اس کو ہر امر میں 'اعتدال' پر قائم رکھتے ہیں اور یہی 'صراطِ مستقیم' اور 'وسیلۂ نجات' ہے۔

اور جن وہ 'غیر مشکّل' مخلوق ہے جو 'غیر مرئی' اور 'غیر محسوس' ہو۔ وہ 'غیر مشکّل' اس لیے ہے کہ اُسے آگ کی طرح 'مادّی اشکال و اجسام' عطا نہیں کیے گئے، اور اُن کی 'غیر مرئی' اشکال و اجسام بھی

'انسانی بشرہ' سے مشابہ نہیں ہے، کیونکہ اگر اُن کے ناک، کان، آنکھ اور چہرہ ہوتا تو اُن پر بجائے 'جن' کے 'بشر' کا اطلاق کیا جاتا۔ درحقیقت وہ ایسے 'مشکّل قوائے مجرّدہ' ہیں جن میں انفرادیت پائی جاتی ہے اور افراد کے اجتماع سے قومیت متشکّل ہوتی ہے۔ اُن کی شکلیں مستقل اور کسی ایک تصور پر قائم نہیں ہیں، بلکہ وقت، حال اور نظر کے اعتبار سے متغیر و متبدّل ہوتی رہتی ہیں۔

یہاں ایک مثال سے اِس دقیق معنی میں امداد لی جاتی ہے، مثلاً: 'الیکٹرسٹی کرنٹ' ایک 'منفی قوتِ مجرّدہ' ہے جو اپنے چھوٹے چھوٹے برق پاروں کے مجموعہ کا نام ہوتی ہے۔ اِس میں نہ کوئی مستقل جسمیت ہوتی ہے اور نہ مخصوص شکل۔ لیکن جس شکل و صورت اور جسامت کے تاروں اور بلبوں سے گزرتی ہے، اُسی شکل میں متشکّل نظر آتی ہے۔ اور اسی اعتبار سے اُس کی طاقت کم و زیادہ ہوتی ہے۔ وہ ایک ہی کرنٹ ہے جو مختلف بلبوں میں متشکّل ہو رہا ہے مگر بلب میں اس کی ایک شکل اور ایک طاقت نہیں ہے۔
اسی طرح جنّی مخلوق انسان کی طرح متشخص اور متشکّل نہیں ہے، اِس کا ایک ایک فرد 'الیکٹرسٹی' کے برق پارے کی طرح جب کسی ظرف زمان، ظرفِ مکان اور ظرفِ نظر میں نفوذ کرتا ہے تو وہی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ وہ کسی شکل میں نظر آئے، اُس کی وہ شکل اپنی نہیں ہوتی بلکہ اُس ظرف کی ہوتی ہے جس کا وہ مظروف ہوتا ہے، اِس لیے جنّی مخلوق کو متشخص اور متشکّل سمجھنا ایک ایسی غلطی ہے جو اعتقاد کو غلط راستے پر ڈال کر اُن کی معرفت کو عاجز کرتی ہے اور نہ پہچاننے کی وجہ سے انسان اُن سے مغلوب ہو جاتا ہے اور ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

رسول و امام:۔ 'رسول' کے معنی، خدا کی سلامتی، رحمت اور برکت، خدا سے لے کر بندوں کو پہنچانے والا۔ اور 'امام' کے معنی بندوں کو، اور اُن کی عبادات و دُعاؤں کو خدا تک پہنچانے والا۔ 'رسول' کی توجہ 'بحالتِ رسول' بندوں کی طرف ہوتی ہے اور 'امام' کا رُخ 'بحالتِ امام' خدا کی طرف ہوتا ہے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ رسول اور امام کے ایک ہی معنی 'پہنچانے والے' کے ہیں۔ محض توجہ کے اعتبار سے نام اور کام بدل جاتا ہے۔ اس معنی میں اسمِ محمد ﷺ اپنے نور کی اولیت کے اعتبار سے جملہ مخلوقات کا 'رسول' ہے جو ازل سے خدا کی سلامتی، رحمت، برکت اور شفا، ہر مخلوق کو پہنچا رہا ہے اور ابدالآباد تک پہنچا تا رہے گا، اس لیے کہ اُس 'نورِ اسم محمد' ﷺ کا رخ اور توجہ مخلوقات کی طرف ہے۔ اِسی 'حرکتِ رسالت' ﷺ کو ہم نے دیے ہوئے نقشے میں نور، مثبت اور خیر کے سلسلے سے تعبیر کیا ہے، جو 'نزولی حالت' میں 'خاتم نبوت' تک چلا آیا ہے۔ اور اسم 'احمد' ﷺ اپنے نور کی 'خاتمیت' کے اعتبار سے 'امام' ہے، جو تمام مثبت اور نوری مخلوق اور اُن کی عبادات و دُعاؤں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔ اسی لیے 'نورِ اسم احمد' ﷺ کا رخ اور

توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ یعنی 'نورِ اسمِ محمدؐ' اپنی نزولی حالت میں خدا کی سلامتی، بقا اور شفا، مسلسل اور متواتر ایک کرنٹ کی طرح مخلوقات کو پہنچا رہا ہے، اس میں مثبت اور منفی مخلوق کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اگر ایک لمحہ کے ہزار اعشاریہ حصہ میں اُس 'نور' کی 'رسالت' رُک جائے تو جملہ مخلوقات معدوم ہو جائیں۔ پھر یہی نور جب اپنی 'رجعتِ قہقری' میں عروجی حالت اختیار کرتا ہے، تو 'نورِ اسمِ احمدؐ' کی صفتِ امامت ظاہر کرتے ہوئے، 'مثبت مخلوق' اور اُن کی عبادات وادعیہ کو خدا تک پہنچا دیتا ہے۔ اور 'منفی مخلوق' اور اُن کے اعمال یہیں چھوٹ جاتے ہیں، کیونکہ وہ منفی اور ظلماتی سلسلے میں داخل ہو چکے ہوتے ہیں۔

اِس تشریح کے ماتحت اگر ہم اپنی حیات، بقا اور شفا پر غور کریں تو ماننا پڑے گا کہ حیات و بقا تو ہمیں نورِ محمدیؐ کی 'رسالت' کے ماتحت مل رہی ہے اور ملتی رہے گی لیکن سلامتی و شفا جو ہماری عبادات واعمال کے نتائج ہیں، اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک ہم نورِ احمدیؐ کی 'امامت' سے نسبت حاصل نہ کریں، یعنی آپؐ کی فرمانبرداری اور پیروی میں داخل نہ ہو جائیں۔ شفا اور سلامتی حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ ہم آپ کی اقتداء میں وہی اعمال و عبادات بجالائیں جو آپؐ نے کیے۔۔یا۔۔جن کا حکم دیا ہے۔ اِس طرح ہمارے اعمال مقبول ہوں گے اور ہمیں سلامتی و شفا حاصل ہو جائے گی۔

آدم و ابلیس:۔۔۔ اِس سے پہلے ہم بشر و جن کی تفہیم پیش کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا کہنا کافی ہوتا کہ آدم بشر ہے، اور ابلیس جن۔ لیکن نہیں! وہاں ہم نے بشر و جن کو ذاتی اور شخصی حیثیت سے سمجھا ہے اور یہاں باعتبار صفات و افعال اُن کی معرفت حاصل کریں گے اور چونکہ 'فنِ اسلامو پیتھی' میں صرف یہی دو۲ عنصر ایسے ہیں جس پر بحث کی جاتی ہے، اس لیے اُن کی صحیح اور کامل معرفت حاصل کرنا اشد ضروری ہے اور اسی لیے قرآن کریم نے بار بار متعدد مقامات پر دہرا تہرا کر اِس کی تذکیر فرمائی ہے تا کہ انسان علمِ الٰہی کی روشنی میں اِن دونوں کو اچھی طرح پہچان لے کیوں کہ اگر یگانہ کو یگانگی کی صفت سے نہ پہچانے گا، افادہ و استفادہ نہ کر سکے گا، اور بے گانے کو بیگانگی کی صفت سے نہ پہچانے گا تو اُس سے اجتناب و احتراز ممکن نہ ہوگا۔ اِس لیے اِس موضوع پر تفصیل کے ساتھ پوری کوشش اور تحقیق سے کام لیا جاتا ہے۔

(وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ)

ہم آدمی کی شکل و شباہت رکھنے کے باوجود آدمیت کی صحیح تعریف سے بہت کم واقف ہوتے ہیں اور اگر واقف بھی ہوتے ہیں، تو 'آدمیت' کے 'اوصافِ حمیدہ' کا اظہار کرنے کی پوری کوشش نہیں کرتے۔ سچ کہا ہے:

آدمیت مشکل است اَے آدمی
با ہمہ ایں مفلسی ہا بے غمی؟

بشر تو ناک، کان، آنکھ اور بشرہ رکھنے والے کو کہتے ہیں، لیکن 'آدمی' اُس کو کہتے ہیں جو 'آدمیت' کے اوصاف سے متصف ہو اور 'آدمیت' کے اوصاف، عبدیت و فرمانبرداری، عاجزی و انکساری، فروتنی و خاکساری، خشوع و خضوع، حلم و بُردباری، توبہ و ندامت، ایثار و قربانی، نعمتوں میں شکر اور مصائب میں صبر کرنا، مخصوص اوصاف ہیں۔ جس میں یہ صفتیں پائی جائیں وہی 'آدمی' ہے۔

اِس سے یہ ثابت ہوا کہ اسم 'آدمی' محض چہرے مہرے پر نہیں بلکہ مخصوص اوصاف پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ ان اوصاف کے ظہور کے لیے بشریت اور جسامت لازم ہے۔ لیکن 'اسم ابلیس' محض اپنی 'صفاتِ مطلقہ' پر دلالت کرتا ہے، خواہ وہ جسامت کے ساتھ ہو۔۔۔یا۔۔۔بغیر جسامت کے 'قوتِ مجردہ' کے ساتھ۔ اِن دونوں قسموں کو 'سورۃ الناس' میں بیان کر دیا گیا ہے۔۔۔مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔۔۔ یعنی یہ ابلیس (خنّاس) نوعِ جن، یعنی غیر مرئی اور غیر مشکل مخلوق میں سے بھی ہو سکتا ہے اور انسان یعنی مرئی اور معروف نوع سے بھی۔۔۔ اِس سے نتیجہ یہ نکلا کہ قرآنِ کریم نے شیطان کو نوعیت کے اعتبار سے متعارف نہیں کرایا ہے بلکہ 'صفتِ ابلیسیت' کے اعتبار سے پہچنوایا ہے۔ اگر کسی 'قوتِ مجردہ' یعنی عقل و خیال و تفکر و توہم، سماعت، بصارت، ذائقہ، شامہ، خاسہ میں منفی صفات کا ظہور ہوگا تو اُسے شیطان کے نام سے موسوم کیا جائے گا اور وہ ہر جگہ 'غیر مرئی' ہوگا۔

بعض انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم نے جو اُس کو مادّی شکل و شباہت میں دیکھا ہے، وہ دیکھنا ایسا ہے جیسا ہم اکثر 'غیر مرئی' چیزوں کو خواب میں مشکل دیکھتے ہیں۔ مثلاً: علم خواب میں دودھ نظر آتا ہے۔ سورۂ فاتحہ کے انوار گلاب کے پھول نظر آتے ہیں۔ خوشی، حسین عورت اور غم، مکروہ اور سیاہ چہرے میں نظر آتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ شیطان کو چونکہ انبیاء و اولیاء دیکھ چکے ہیں، اس لیے وہ مجسّم، متشخص اور متشکل ہے، صحیح نہیں ہے۔ اور یہ تجربات ہمارے سامنے آچکے ہیں کہ جب کسی آسیب زدہ مقام پر کسی آسیبی ہیولے۔۔۔یا۔۔۔مجسّمے کو دیکھ کر اُس کی تصویر اُتارنے کے لیے کیمرے کی آنکھیں کھولی جاتی ہیں تو پلیٹ پر اُس کا کوئی دھندلا سا بھی عکس نظر نہیں آتا۔ غور کیجیے، کیمرے کا بٹن اُس وقت دبایا گیا تھا جب کوئی چیز نظر آرہی تھی تو اُس کا پلیٹ یا ریل پر عکس آنا ضروری تھا، پھر کیا وجہ ہے کہ ایک 'مرئی' چیز کا عکس فوٹو میں نہیں آیا؟، اِس کی صرف یہی وجہ ہے کہ جو چیز نظر آرہی تھی وہ وہمی تھی۔ اگر حقیقی ہوتی تو جیسے انسان کی آنکھ نے اُسے دیکھا تھا کیمرے کی باریک بین نگاہ بھی اُسے ضرور دیکھ لیتی۔ اِسی طرح شیطان ایک 'غیر مرئی' مخلوق ہے، اِسی لیے وہ پہچاننے میں نہیں آتا اور پوشیدہ رہ کر انسان کو تباہی و بربادی اور افلاس

و بیماری میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کھول کھول کر اُس کی 'صفات' بیان فرمادیں۔ جب کہیں یہ 'صفات' ہم کو نظر آئیں، ہمیں چاہیے کہ ہم فوراً وہاں شیطان کے وجود سے باخبر ہو جائیں اور اُس سے حفاظت کے جو طریقے ہم کو بتا دیے گئے ہیں، اُن پر عمل کر کے اُس موذی دشمن سے بچنے کی فکر کریں۔ ہم یہاں قرآن کریم سے چھانٹ چھانٹ کر شیطان کی صفات بیان کرتے ہیں۔

شیطان کی پہچان:

اسلامی نظریۂ 'خیر و شر' کے ماتحت یہ معلوم کرنے کے بعد کہ تمام منفی (شر) طاقتوں کا سردار شیطان ہے اور اُسکو اغوا و اضلال اور شرور میں مبتلا کرنے کی پوری آزادی دی گئی ہے، جسکی بنا پر اُس نے دعویٰ کیا ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۳۸:۸۲-۸۳﴾

بولا، تیرے عزت و جلال کی قسم سوائے تیرے مخلص بندوں کے سب کو گمراہ کر دوں گا

اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دعوے کی تصدیق اِن الفاظ میں فرمائی۔۔۔ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۳۸:۸۴﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔ وہ بھی ٹھیک کہتا ہے اور میں بھی سچ کہتا ہوں

۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کو آگاہ و خبردار فرما دیا:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ط ﴿۳۵:۶﴾

دیکھو شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اُس سے دشمنی رکھو

وہ لوگ جو اُس کی طرف جھکیں گے اور اُس سے دوستی اور موافقت قائم کریں گے تو وہ اُسی کے زمرے میں شمار کیے جائیں گے۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۸:۱۹﴾

وہ لوگ شیطان کے گروہ میں ہیں، اور خبردار ہو جاؤ بالتحقیق شیطانی گروہ کے

تمام افراد خسارہ اور نقصان اُٹھانے والے ہیں

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۴:۱۱۹﴾

اور جو بنا لے شیطان کو یار اللہ کو چھوڑ کر تو بیشک وہ پڑ گیا کھلے گھاٹے میں (معارف القرآن)

۔۔۔ اور چونکہ دشمن کی پہچان دوست کی پہچان سے زیادہ ضروری ہوتی ہے، اس لیے قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اُس کا ذکر کیا گیا ہے۔

دُنیا کا کوئی چھوٹا۔۔۔یا۔۔۔ بڑا مذہب خواہ وہ حق ہو۔۔۔یا۔۔۔ باطل، شیطان کے وجود کو بالضرور تسلیم کرتا ہے، کیوں کہ بابا آدم علیہ السلام کی ابتدائی خلقت سے ہی وہ عالم انسانیت میں مشہور و معروف چلا

آرہا ہے۔لیکن شیطان کی پہچان سوائے دینِ اسلام کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی، کسی نے شیطان کو انسانی شکل وشباہت کی ایک مکروہ اور خوفناک صورت تصور کیا ہے، جس کے جسم پر بڑے بڑے بال، سر پر چوٹی اور ناخن بڑھے ہوئے ہوں۔اور بعض مذہب میں ایک بڑے قد کا دُم دار بندر تصور کیا جاتا ہے۔لیکن یہ تمام تصورات وتوہمات لغو محض ہیں، کیوں کہ اگر وہ انسانی ناک نقشہ رکھنے والی مخلوق ہوتا تو اُس پر 'بشر' کی تعریف صادق آتی، اور اگر جانوروں سے مشابہ ہوتا تو جانوروں کی نوع میں شمار کیا جاتا۔

نہیں اور وہ نہ بشر ہے اور نہ جانور بلکہ آگ سے پیدا کی ہوئی ایک طاقت ہے اور وہ خود اس کا دعویٰ کرتا ہے ---خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷:۱۲﴾---(تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے)۔یعنی وہ کسی کثیف مادّے، مٹی، پانی اور ہوا سے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ صرف آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔آگ ایک 'غیر مرئی' عنصر ہے، اس لیے شیطان بھی نظر آنے والی مخلوق نہیں ہے۔

اور بعض انبیاء واولیاء نے جو اُس کو شکل وشباہت میں دیکھا ہے، وہ ایسا دیکھنا ہے جیسے ہم اکثر 'غیر مرئی' چیزوں کو خواب میں متشکل دیکھتے ہیں۔مثلاً علم، خواب میں دودھ نظر آتا ہے اور دولت، سانپ بچھو نظر آتی ہے۔خوشی حسین عورت---یا---خوبصورت لڑکے کی صورت میں، اور غم، سیاہ اور مکروہ چہرے میں نظر آتا ہے۔اسی لیے قرآن میں کہیں اُس کی صورت، شکل---یا---جسم وقد کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا گیا بلکہ صرف اُس کی صفات وافعال سے پہچنوایا گیا ہے۔

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۱۱۴: ۵-۶﴾

وہ جو انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔وہ جنّی مخلوق ہوتا ہے

---یعنی 'غیر مرئی' شکل میں ہوتا ہے اور نظر نہیں آتا اور کبھی کوئی انسان، شیطانی صفات سے متصف ہو کر وہی کام انجام دیتا ہے

قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی شیطان کا ذکر کیا گیا ہے، وہ صرف اُس کے وہ 'اثرات وافعال' ہیں جو انسان کے دل سے تعلق رکھتے ہیں۔اُس کی صفات میں سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ انسان کو کفر وبدعت کی طرف مائل کرتا ہے، چنانچہ فرمایا:

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ ﴿۵۹:۱۶﴾

جیسے شیطان کی مثال جبکہ بولا انسان کو کہ کفر کر---

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ ﴿۲:۱۰۲﴾

اور سلیمان (علیہ السلام) نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا اور انسانوں کو جادو سکھایا

۔۔۔تیسری صفت شیطان کی یہ ہے کہ وہ دِل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور آرام، راحت اور صحت کی زندگی سے نکال کر مصیبت وعذاب کی زندگی میں مبتلا کرتا ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ﴿۲:۳۶﴾

پس شیطان نے آدم وحوا دونوں کو بہکا دیا اور اُن کو آرام وراحت اور تندرستی کی حالت سے نکال دیا جس میں وہ اب تک تھے

۔۔۔اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو صاف اور صریح الفاظ میں تاکید کر دی۔

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ ﴿۷:۲۷﴾

اَے آدم کی اولاد! شیطان تم کو فتنے میں نہ ڈال دے جیسا اُس نے تمہارے ماں باپ کو جنت (آرام وصحت کی حالت) سے نکال دیا، اُن کے جسم سے لباس اُتار دیا تا کہ اُن کو اُن کے پوشیدہ اعضا دکھائے۔ یقیناً وہ تم کو دیکھتا ہے اور وہ اور اس کی ذرّیات، اِس طرح کہ تم ان کو نہیں دیکھتے

۔۔۔یعنی شیطان کی چوتھی صفت، بے حیائی کو بیان کیا ہے کہ وہ تمہیں اُن اعضا کو ظاہر کرنے کی طرف مائل کرتا ہے جن کو چھپانا ضروری ہے۔

۔۔۔پانچویں صفت یہ بیان کی کہ وہ لوگوں کے درمیان دشمنی ڈالتا ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ ﴿۵:۹۱﴾

شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ ڈال دے تمہارے آپس میں دشمنی اور کینہ کو۔۔۔

۔۔۔چھٹی صفت یہ بیان کی کہ وہ لوگوں کو غرور میں مبتلا کرتا ہے۔

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴:۱۲۰﴾ شیطان تو بس غرور کی طرف اکساتا ہے

۔۔۔ساتویں صفت یہ بیان کی کہ وہ لوگوں کو تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کی طرف اُکساتا ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔۔۔ ﴿۲:۲۶۸﴾

شیطان دھمکی دیتا رہتا ہے تم کو محتاج ہو جانے کی اور حکم دیتا رہتا ہے تم کو بے شرم ہو جانے کا (معارف القرآن)

۔۔۔آٹھویں صفت یہ بیان کی کہ وہ لوگوں کے بُرے اعمال کو اچھے لباس میں آراستہ کر کے دکھاتا ہے۔

فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۶:۶۳﴾

چنانچہ سجا دیا شیطان نے اُن کی نظر میں اُن کے کرتوت کو تو وہی اُن کا یار ہے آج، اور انہیں کے لیے ہے دکھ دینے والا عذاب (معارف القرآن)

۔۔۔اور تمام بیماریوں پر دُنیاوی عذاب صادق آتا ہے۔

۔۔۔نویں صفت یہ بیان کی کہ وہ انسان کی ناکامی کو عین کامیابی بنا کر پیش کرتا ہے۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ ﴿۸:۴۸﴾

اور جب شیطان نے اُن کے اعمال کو مزین کر کے پیش کیا تو کہا،

آج تم سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے تم ہی سب پر غالب ہو

۔۔۔دسویں صفت یہ بیان کی کہ وہ اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے اور لوگوں کو نافرمانی کی طرف مائل کرتا ہے۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۱۸:۵۰﴾

وہ قومِ جن میں سے ہے۔ اُس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی، تو کیا تم مجھے چھوڑ کر اُس کو

اور اُس کی ذریات کو اپنا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ جان لو!

کہ ایسے ظالموں کے لیے، بہت بڑا بدلا ہے

۔۔۔گیارہویں صفت یہ بیان کی کہ وہ حق بات تسلیم کرنے سے علی الاعلان انکار کرتا ہے۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ ﴿۱۵:۳۳﴾ اُس نے کہا: میں ہرگز بشر کو سجدہ نہ کروں گا

اِس طرح قرآنِ کریم نے جگہ جگہ شیطان کو اُس کی صفات سے متعارف کرایا ہے، جب وہ 'غیر مرئی' طریقے پر اِن صفات کا اظہار کرتا ہے تو 'اصل ابلیس' مراد ہوتا ہے اور جب کسی 'مرئی' شکل میں ۔۔۔یا۔۔۔ انسان اور جانور کے لباس میں اُن کا اظہار کرتا ہے تو 'ذریاتِ شیاطین' مراد ہوتے ہیں۔ پس ہمیں شیطان کو شکل وصورت میں تلاش نہ کرنا چاہیے بلکہ اِن مرقومہ بالا صفات سے پہچاننا چاہیے۔ اگر ہم شیطان کو پہچاننے میں کامیاب ہو گئے تو یقیناً دُنیاوی عذاب (افلاس، بیماری اور غم وغصہ، ہراسانی اور خوف وپریشانی) سے اور آخرت کی دوزخ سے نجات پائیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی شیطان کو اُس کی صفات ہی کے ذریعہ پہچوایا ہے، فرماتے ہیں:

غصہ شیطان ہے، جب تمہیں غصہ آئے تو اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ۔ بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، پھر بھی شیطان دُور نہ ہو تو وضو کر لو، اور اِس پر بھی دُور نہ ہو تو غسل کر ڈالو، شیطان بھاگ جائے گا۔

ہمارے جسم میں شیطان:

جب ہم شیطان کی صفتوں سے واقف ہو گئے تو ہمیں غور کرنا چاہیے کہ شیطان سے ہمارا کتنا تعلق

ہے اور وہ ہماری زندگی میں داخل ہے۔۔۔یا۔۔۔ نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہماری ہدایت کرتا ہے:

شیطان تمہارے خون کے ساتھ تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

۔۔۔نیز فرمایا۔۔۔ ''ہر بال کی جڑ میں شیطان کا مسکن ہے''۔

یقیناً حق فرمایا رسول اللہ ﷺ نے! اور آپ کا یہ فرمان ہماری ہدایت کے لیے ابتدائی سنگ میل ہے۔ اس بیان کی روشنی میں جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ شیطان ہر وقت ہمارے جسم میں موجود ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ ہماری زندگی میں اس درجہ کیوں داخل کیا گیا۔ تو ہماری وہ توضیح جو ہم نے 'مثبت اور منفی' کے بیان میں پیش کی ہے، ہماری اچھی مدد کرتی ہے، یعنی یہ کہ ہر مخلوق بالخصوص انسان اپنی زندگی، قیام اور بقائے صحت کے لیے اُن دونوں طاقتوں کا محتاج ہے۔ اگر صرف 'مثبت طاقت' ہو اور 'منفی طاقت' نہ ہو تو 'مثبت طاقت' کا صدور بھی موقوف ہو جائے گا۔ جس طرح ایک تالاب سے پانی کا اخراج بند کر دیا جائے تو اُس میں پانی کا آنا بھی بند ہو جائے گا۔ اور اگر صرف 'منفی طاقت' ہو اور مثبت نہ ہو تو ہماری حیات و بقا جو صرف 'مثبت طاقت' سے حاصل ہوتی ہے، حاصل نہ ہو سکے گی۔

اس طرح 'منفی طاقت' بھی ہمارے لیے لازم ہے اور یہی 'منفی طاقت' جو ہر وقت ہمارے جسم میں موجود ہے، اپنی صفات کے اعتبار سے 'شیطان' کی تعریف میں سو فیصدی صادق آتی ہے، اس لیے اس 'منفی طاقت' کو 'شیطان' کہا گیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہماری ہر طاقت کے لیے ایک خاص مرکز پایۂ تخت مقرر کیا ہے جہاں سے اُس کا صدور ہوتا ہے۔ مثلاً: 'روح حیوانی' ہمارے ایک ایک رگ و ریشے میں موجود ہے، لیکن اس کا پایۂ تخت 'قلب صنوبری' ہے۔ 'روح نفسانی' اعصاب کی باریک سے باریک شاخ میں موجود ہے جو حس و ادراک عطا کرتی ہے، لیکن اس کا پایۂ تخت 'دماغ' ہے۔ اسی طرح 'روح طبعی' کا پایۂ تخت 'جگر'، تو ہماری یہ 'منفی طاقت'، یعنی 'شیطان' جو ہماری رگوں میں دوڑ رہا ہے، اُس کا پایۂ تخت ہمارے جسم میں کہاں ہے؟، تو یہ مسئلہ بھی سوائے دین اسلام کے اور کہیں سے حل نہیں ہوتا۔

روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے جسم میں شیطان کا وجود محسوس ہوا تو انہوں نے اُس کی ازلی دشمنی کی بنا پر چاہا کہ شیطان کے مرکز کو جہاں اُس کا اصل مقام ہے، اپنے جسم سے خارج کر دیں تاکہ اُس دشمن سے نجات مل جائے اور اپنی 'فراست نبوت' سے معلوم کیا کہ اُس کا پایۂ تخت 'مقام ناف' ہے۔ تو اپنی 'ناف' کو کاٹ کر پھینک دیا، جس سے 'کتا' پیدا ہوا۔ اُس کے بعد کیا اثر ہوا، ہمیں معلوم نہیں، لیکن یقیناً 'ناف' کو کاٹ کر پھینک دینے کے بعد بھی شیطان سے نجات نہ ملی ہوگی،

کیونکہ 'بالائی ناف' اُس کا مرکز نہیں بلکہ 'ناف کی گہرائی' میں اُس کا پایۂ تخت ہے۔ جہاں 'اورطہ ہابطہ' آ کر ختم ہوتا ہے اور یہ نتیجہ بہت دُور جا کر حاصل ہوتا ہے۔

تصوف میں 'نفس' کی تحقیق، اس کے مقامات کا علم، اور اس کے لطائف پر غور و خوض کا جو علم دیا گیا ہے، اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ 'نفسِ امّارہ' کا لطیفہ 'ناف' ہے۔ 'لوّامہ' کا لطیفہ 'پیشانی'۔ 'ملھمہ' کا 'ام الدماغ' اور 'مطمئنہ' کا 'قریب قلب'۔ اور چونکہ قرآن کریم نے 'نفس امّارہ' کی تعریف میں فرمایا ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ۔۔۔ ﴿۱۲:۵۳﴾ 'نفسِ امّارہ' تو بس بُرائیوں کا حکم کرتا ہے

اور شیطان کی بھی یہی تعریف ہے۔ پس 'نفسِ امّارہ' اور 'شیطان مردود' ایک ہی مقام پر واقع ہوتے ہیں۔ اور جب 'نفسِ امّارہ' کا مقام 'ناف' ہے، تو یہی مقام شیطان کا تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور جب تک 'نفس' اس مقام کو چھوڑ کر پیشانی تک عروج نہیں کرتا اُس وقت تک اُس کی 'امارگی' زائل نہیں ہوتی۔ (یہاں نفس کی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ ہماری بحث سے باہر ہے)۔

اب یہ علم حاصل ہونے کے بعد کہ 'شیطان' کا پایۂ تخت 'ناف' ہے، اس کی صداقت کی سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہیں کہ ہم تجربہ کر کے دیکھیں۔ اور جب ہم تجربہ کرتے ہیں اور شیطان کو مغلوب کرنے کی ترکیبیں عمل میں لاتے ہیں تو اس علم کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب شیطان ہماری زندگی کا ایک جز ہے اور ہم اُس کو نہ فنا کر سکتے ہیں اور نہ جسم سے خارج کر سکتے ہیں تو اُس سے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی اور ہم اُس کی 'شیطنت' سے کیوں کر محفوظ رہ سکتے ہیں؟ تو اس سوال کا جواب دینے کے لیے ایک دوسرے سوال کا حل کرنا ضروری ہے کہ۔۔۔ 'ہمارے جسم میں شیطان کا تصرف کس طریقے پر ہوتا ہے اور اُس کی کارکردگی کے اسباب و ذرائع کیا ہیں'۔ اس لیے پہلے ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں۔ اس کے لیے پہلے 'نقطۂ جوش' کا سمجھنا ضروری ہے۔

شیطان کا طریق کار:۔۔۔ ہماری زندگی کو ایک 'اصلی حرارت' کی ضرورت ہے جس کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے، اس کو 'حرارتِ غریزی' کہتے ہیں اور ہمارا جسم باہر سے خورد و نوش کے ذریعہ۔۔۔یا۔۔۔ بُرے تخیلات اور حرکات وغیرہ سے ایک اور گرمی حاصل کرتا ہے، جسے 'حرارتِ غریبہ' کہتے ہیں۔ 'حرارتِ غریزی' اور 'حرارتِ غریبہ' دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اِس لیے کہ 'حرارتِ غریزی' روح سے حاصل ہونے کی وجہ سے 'نور' ہے اور 'حرارتِ غریبہ' مادّیات کی وجہ سے 'نار'۔ 'نور و نار' ایک دوسرے کی مخالف طاقتیں ہیں۔ 'نور' غالب ہوگا تو 'نار' مغلوب ہو جائے گی، اور 'نار' غالب ہوگی تو 'نور' تاریکی میں آجائے گا۔

ہم صرف اتنا غور کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ 'شیطان' اپنے وجود میں 'ناری' ہے، اس کو 'حرارت غریبہ' سے تقویت حاصل ہوتی ہے اور 'حرارت غریزی' کا غلبہ اُسے مضمحل اور بیکار کر دیتا ہے۔

اس طرح شیطان کا ہمارے جسم میں طریق کار یہ ہے کہ جب ہماری روح کا 'نور' مدہم ہو جاتا ہے تو 'حرارت ناریہ' غالب ہو کر شیطان کی معاون و مددگار ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶:۴۳﴾

جو شخص خدائے رحمٰن کی یاد سے غافل ہو گیا، اُس پر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

کیوں کہ شیطان اُس سے دُور نہیں ہوتا

خدا کی یاد انسانی روح کی غذا ہے۔ جب کوئی خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو روح کو غذا نہیں ملتی اور وہ کمزور ہو جاتی ہے یعنی اُس کی روشنی کم ہو جاتی ہے۔ جب روشنی کم ہوتی ہے تو شیطان جو 'حرارت ناریہ' کی طرح تاریک ہے، غالب ہو جاتا ہے اور اپنے اثرات پھیلانا شروع کر دیتا ہے۔

پس اس بیان کے ماتحت جب ہم عمیق غور و تفکر سے کام لیتے ہیں تو حسب ذیل نتائج سامنے آتے ہیں کہ 'کامل صحت' کی حالت میں شیطان اپنے پایہ تخت (ناف) میں غیر مؤثر طریقہ پر بیکار پڑا رہتا ہے، یعنی تکلیف دہ علامات پیدا نہیں کرتا۔ لیکن جب ہم 'حرارت غریبہ' کو غیر فطری غذاؤں، گرم مشروبات۔۔۔یا۔۔۔ مہمل اور بُرے تخیلات کے ذریعہ بڑھا دیتے ہیں تو شیطان بیدار ہو جاتا ہے، اور چونکہ 'مقام ناف' سے 'اورطہ' ہابط' کا سلسلہ 'قلب' سے وابستہ ہے، اس لیے شیطان کا سب سے پہلا اثر 'قلب' پر ہوتا ہے۔ قلب گرم ہو جاتا ہے تو بے چینی، غیر اطمینانی، دھڑکن، گھبراہٹ، اُکتاہٹ اور بے آرامی محسوس کرتا ہے اور 'دماغ' اس سے متاثر ہو کر روحانی بیماریوں کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے، جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اور دوسری طرف جب 'قلب' کی یہ کیفیات اُس کے افعال کی صحیح انجام دہی میں نقص پیدا کر دیتی ہیں تو ہمارے جسم کے وہ کارفرما مادّے خواہ بارہ[۱۲] نمکیات ہوں۔۔۔یا۔۔۔ ریح، خون، بلغم، صفرا اور سودا، رفتہ رفتہ نقص پذیر ہونے لگتے ہیں۔ چونکہ ان کا یہ نقص دفعۃً تکلیف دہ علامات پیدا نہیں کرتا، اس لیے انسان کو اپنی بیماری کا بیمار ہونے کے باوجود علم نہیں ہونے پاتا۔ لیکن جب مادّوں کا یہ نقص اس حد تک اُن میں کمی زیادتی۔۔۔یا۔۔۔ جوش و تعفن پیدا کر دیتا ہے کہ اعضاء کے افعال میں رکاوٹ پیدا ہونے لگتی ہے تو بیماری کی علامات شروع ہو جاتی ہیں۔ 'ہومیوپیتھی' اور 'ایلوپیتھی' انہی علامات سے بحث کرتی ہے۔

ویداور یونانی طبیب مادّوں، کو بیماری کا سبب سمجھتے ہیں۔ لیکن اسلام 'شیطان' کو، جو ہمارے جسم میں جسمانی اور روحانی دونوں بیماریوں کا واحد سبب ہے، اصل وجہ قرار دیتا ہے۔ اور جب اسلام کے بتائے ہوئے اصول وقانون کے مطابق شیطان کو مغلوب کر دیا جاتا ہے تو اُس کا عمل باطل ہونے کے بعد مادّوں میں اصلاح ہو جاتی ہے اور ایک ہی علاج سے تمام بیماریاں دُور ہو جاتی ہیں۔

اور اتنا غور کرنے کے بعد ہمارے دونوں سوال حل ہو جاتے ہیں کہ شیطان کیوں کر تصرّف کرتا ہے اور ہم اُس سے کیوں کر نجات پا سکتے ہیں۔

امراض کی وحدانیت کا مسئلہ:

ویسے تو دُنیا کے تمام مذاہب نے 'وحدانیت' کا دعویٰ کیا ہے، لیکن 'توحید' کے اصل معنی اور صحیح تعریف سے بے خبر ہونے کی وجہ سے اپنی 'کثرت' ہی کو 'وحدت' سمجھنے پر مجبور ہو گئے۔

عیسائی 'تثلیث' میں توحید ثابت کرتے ہیں، زرتشتی دو[۲] خداؤں کی وحدت کے قائل ہیں، اور بت پرست ہزارہا دیوی اور دیوتاؤں میں وحدت تلاش کرتے ہیں۔ لیکن اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے 'توحید' کی صحیح تعریف سے دُنیا کو روشناس کرایا۔

'توحید' کے معنی ایک ہونے، ایک کرنے اور ایک رکھنے کے ہیں۔ اور 'توحید' کی تعریف یہ ہے کہ ہر 'کثرت' میں اُس 'وحدت' کی تلاش کی جائے جس پر اس 'کثرت' کا دارومدار ہے۔ مثلاً: مخلوقات اپنی نوع کے اعتبار سے عنصری، معدنی، نباتی، حیوانی، انسانی، مَلکی اور ارواحی 'کثرت' میں ہیں، لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ مختلف النوع مخلوقات خودمختار، فاعلِ کُل، اور اپنی بقا پر قادر نہیں ہیں، تو اُس ایک خالق پر ایمان لانا ناگزیر ہو جاتا ہے جو اِن کا خالق، قادر، فاعل اور خودمختار ہے۔

اِسی طرح بیماریوں کا مسئلہ ہے کہ یہ اپنی 'علامات' کے اعتبار سے 'ہزاروں ناموں' سے یاد کی جاتی ہیں۔ لیکن جب یہ بذاتِ خود پیدا نہیں ہوئیں، نہ بذاتِ خود تکلیف دہ علامات ظاہر کر سکتی ہیں اور نہ خود باقی رہنے پر قادر ہیں، تو اِن میں اُلجھ کر رہ جانا صحیح اور سیدھا راستہ نہیں ہے بلکہ ان کے ایک خالق، ایک فاعل اور ایک قادر کو تلاش کرنا ضروری ہے۔ اور جب ہم نے شیطان کو جان لیا کہ وہی ایک اصل بیماری ہے، اُس کے علاوہ اور کوئی دوسری بیماری نہیں، تو اِس علم کے بعد اگر ہم اُن بیماریوں کو الگ الگ تسلیم کریں۔۔۔یا۔۔۔اُن کے لیے جداگانہ علاج تجویز کریں تو اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم 'امراض کی وحدت' (Unity of Diseases) سے ہٹ کر 'شرک' میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ہمارا راستہ غلط ہو گیا ہے۔

پس ہمیں تشخیص میں کسی بیماری کا نام لینے اور اُس کی جداگانہ تشخیص کرنے کی قطعاً ضرورت

نہیں۔ ہم یہ نہیں کہ ہمیں بخار ہو گیا ہے، کار بنکل، کینسر، ناسور، کوڑھ، گنٹھیا، فالج ہو گیا ہے۔۔یا۔۔جھوٹ، چوری، زنا، قتل اور ڈکیتی کی عادت ہو گئی ہے۔۔یا۔۔ہم خودکشی کی طرف مائل ہو گئے ہیں، بلکہ صرف یہ کہیں کہ ”شیطان غالب ہو گیا ہے“۔

اس طرح ’امراض کی وحدت‘ کا اعتقاد کرنے کے بعد تشخیص کی تمام الجھنوں اور غلطیوں سے نجات مل جاتی ہے۔ جب کہ کوئی دوسرا فن طب تشخیص میں غلطیوں سے بچنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، کیونکہ غلطی تو اُس وقت واقع ہو گی جب ہم چند چیزوں میں کسی ایک کو تشخیص کرنے کی کوشش کریں گے اور جب ایک کے علاوہ دوسرے کا وجود ہی نہیں تو چھانٹنے اور دائیں بائیں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ پس ایک ہے، تو ہمہ وجود وہی ایک ہے۔

۔۔۔”اس طرح ساری دُنیا کا علمِ تشخیص“ یہاں بیکار ہو جاتا ہے۔

اور جب ہم امراض کی وحدانیت کا کامل یقین کر لینے کے بعد اچھی طرح سمجھ چکے کہ یہ ایک بیماری ’شیطان کا غلبہ‘ ہے، تو اس کا علاج تجویز کرنا کوئی مشکل نہیں۔ بس شیطان کو مغلوب کر دینا اس کا واحد علاج ہو گا۔ اور جس طرح ہم ’تشخیص‘ میں تمام غلطیوں کے امکان سے محفوظ تھے، ’تجویز‘ میں بھی تمام غلطیوں کے امکان سے محفوظ رہیں گے۔ یعنی جب بیماری ایک ہے تو اُس کا علاج بھی ایک ہی ہو گا اور ہم کوئی دوسرا علاج تجویز کر کے اپنا بیڑا غرق نہ کریں گے۔

ایک بیماری کے ایک علاج کا نظریہ:

جس طرح ایک بیماری کی تشخیص میں اسلام نے ہماری مدد کی، اسی طرح اسلام ہی علاج کے لیے صاف، روشن اور یقینی راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ آیئے اب ہم پھر قرآن کریم کو بوسہ دیں اور اُسی مقام پر علاج بھی تلاش کریں جہاں بیماری کی صحیح تشخیص حاصل ہوتی ہے۔

یعنی جب حضرت ایوب علیہ السلام نے دُعا کی کہ پروردگار! ’شیطان نے مجھے دشمنی اور عذاب میں مبتلا کر دیا ہے‘، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں کیا فرمایا؟ اُسی آیت کے بعد وہ آیت ہے:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ ۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۳۸:۴۲﴾

اللہ تعالیٰ نے یہی ایک علاج ان کو بتایا کہ (اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا)۔۔۔’مغتسل بارد‘۔ نہانے کا ٹھنڈا پانی۔۔۔’ٹھنڈے پانی‘ کی شرط اِس آیت میں ایک خاص نکتہ ہے جسے ذہن میں رکھنا ضروری ہے اور اِس سے پہلے ہم ’اصحابِ یمین‘ اور ’اصحابِ شمال‘ کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں کہ ’ٹھنڈا پانی، اصحابِ یمین‘ کے لیے ہے اور ’گرم پانی، اصحابِ شمال‘ کے لیے۔۔نیز۔۔

ہر مسلمان کو اِس بات کا علم ویقین ہے کہ جنت میں برف سے زیادہ ٹھنڈا پانی ملے گا۔ اور دوزخ میں کھولتا ہوا پانی۔ ٹھنڈے پانی میں 'رحمت وشفا' ہے اور گرم پانی میں 'عذاب وتکلیف'۔ اس کے اوپر آئندہ بحث کی جائے گی۔

غرض جب اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصول پر حضرت ایوب علیہ السلام نے غسل کیا تو شفایاب ہو گئے۔ اب یہ سوال کہ 'ٹھنڈا پانی' اُن کو کہاں سے دستیاب ہوا اور انہوں نے کیوں کر غسل کیا۔ قرآن کریم میں اِس کی تفصیل نہیں ہے۔ لیکن مفسرین نے اس پر جو وضاحت کی ہے، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے زمین پر پاؤں مارا تو 'گرم پانی' کا چشمہ پیدا ہو گیا، دوسرا پاؤں مارا تو 'ٹھنڈے پانی' کا چشمہ جاری ہو گیا۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام کو پہلے 'گرم پانی' میں غوطہ دیا۔ پھر 'ٹھنڈے پانی' میں غوطہ دیا، تو وہ بالکل تندرست اور حسین وجمیل ہو گئے۔ ایسے کہ جب اُن کی بیوی نے واپس آ کر اُن کو دیکھا تو پہچان نہ سکیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے 'پاؤں مارنے' کا حکم ایوب علیہ السلام کو دیا تھا۔۔۔یا۔۔۔ جبریل علیہ السلام کو؟ اگر ایوب علیہ السلام کو دیا تھا تو وہ 'عالم الغیب' جانتا تھا کہ وہ پاؤں مارنے کے قابل نہیں ہیں، جب وہ نہ کھڑے ہو سکتے ہیں، بلکہ زبان تک ہلانے سے عاجز ہو گئے ہیں تو زمین پر پاؤں مارنے کا حکم بظاہر خلافِ عقل معلوم ہوتا ہے اور اگر جبریل علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ پاؤں زمین پر مارو تو اُن سے مخاطبت کا کوئی قرینہ نہیں ملتا۔۔۔ کہ دُعا کریں ایوب علیہ السلام اور جواب دیا جائے جبریل علیہ السلام کو۔

دوسری تفسیر میں یہ وضاحت نظر آتی ہے کہ جب ایوب علیہ السلام نے دُعا کی تو خدا کی قدرت سے وہیں 'ٹھنڈے پانی' کا چشمہ ظاہر ہو گیا اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اُس میں غسل کیا اور تندرست ہو گئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایوب علیہ السلام کو پاؤں مارنے کی ضرورت نہ تھی تو اُن کو اس کا حکم کیوں دیا گیا اور اسے قرآن پاک میں کس لیے بیان کیا گیا۔ اِس کا ہمیں کہیں جواب نہیں ملتا۔

اب ہم بطور خود غور کرتے ہیں (اِس پر ہمارا دعویٰ نہیں ہے، اگر یہ حقیقت کے خلاف ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے) کہ یہاں پاؤں مارنے کا حکم 'خود اپنا علاج کرنے کے' معنی میں ہوگا، جیسا کہ ہم اپنے محاورہ میں خود عمل کرنے کو 'اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا' کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اُن کی بیوی حکیموں اور طبیبوں کی تلاش میں رہتی تھیں اور دُور دُور کا سفر اس لیے بھی کرتی تھیں کہ کوئی طبیب مل جائے اور اُس کے علاج سے شفا حاصل ہو۔

ایک مرتبہ 'شیطان'، 'ایک طبیب' کی شکل میں ظاہر ہوا اور اُن کے پوچھنے پر بتایا کہ ایک مرغ

کو خدا کا نام لیے بغیر ذبح کر و اور مریض کو کھلا دو شفا ہو جائے گی۔ وہ ایک مرغ لے کر واپس آئیں اور طبیب کے مشورے کا حال بتایا تو ایوب ؑ نے کہا۔۔۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔۔۔ تُو شیطان کے بہکانے میں آ گئی۔ اگر میں اچھا ہو گیا تو خدا کی قسم تجھے سو۱۰۰ کوڑے ماروں گا۔ اور جب وہ اچھے ہو گئے تو اپنی قسم پوری کرنی چاہی مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو کوڑے مارنے سے منع فرما دیا اور فرمایا:

خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ﴿۳۸:۴۴﴾

سو سینکوں کی ایک شاخ لے کر اُس سے آہستہ سے مار و اور اسے تکلیف نہ پہنچاؤ

اِس سے معلوم ہوا کہ ایوب ؑ اور اُن کی بیوی کسی طبیب سے امیدیں رکھتے تھے کہ اس سے شفا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم خود اپنا علاج کرو۔ ’ٹھنڈے پانی‘ سے تمہارا علاج ہو گا۔ ہم نے اپنی قدرت سے تمہارے قریب ہی ’ٹھنڈا پانی‘ پیدا کر دیا ہے اُس میں غسل کرو۔ پھر جب ’ٹھنڈے پانی‘ کی سطح اونچی ہوئی تو ایوب ؑ کے جسم کا ایک حصہ پانی میں غرق ہو گیا، جسم کے تمام کیڑے پانی میں اُتر آئے۔ پانی کی ٹھنڈک سے سکون و راحت پہنچی، آپ ہاتھ پاؤں ہلانے کے قابل ہو گئے اور بار بار غسل کرنے سے شفائے کلی حاصل ہو گئی۔

اِس واقعہ کا ذکر قرآن کریم میں محض قصہ گوئی نہیں ہے بلکہ ایک عظیم سبق ہے۔ اگر علمائے متاخرین خداوند تعالیٰ کے کلام میں مقاصد کی چھان بین کرتے تو یقیناً ’سنتِ الٰہی‘ کا راز اُن پر کھل جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو اپنا عرش کیوں فرمایا:

وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴿۱۱:۷﴾ اور اُس کا عرش پانی پر تھا

۔۔۔ اور وہ اسی طرح خود کو تندرست رکھتے اور اپنی تمام بیماریوں کو قرآنی علاج سے دُور کرنے میں کامیاب ہو جاتے جس طرح ’قرنِ اولیٰ‘ کے مسلمان، تمام طبیبوں اور معالجوں سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگی میں کامیاب تھے۔

لیکن ہمارے موجودہ علما اور مفکرین مسلمان ہونے کا دعویٰ اور قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود غیر مسلموں کے گمراہ کن طریق علاج کے محتاج ہیں اور اپنی زندگی کے لیے اُسی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ وہ علاج تلاش کرتے ہیں تو قرآن سے باہر، سیاست تلاش کرتے ہیں تو اسلام سے ہٹ کر، قوانین سلطنت ٹٹولتے ہیں تو کافروں اور مشرکوں کی جھولی میں، دستور بناتے ہیں تو دشمنوں کے سایۂ دیوار میں۔ انہوں نے اسلام کو صرف نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، مسجد و منبر، تسبیح و عصا و عمامہ کے دائرے میں مقید کر دیا ہے اور۔۔۔ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔۔۔ پر عملی ایمان لانے سے گریز کرنے لگے ہیں۔ دین کا کمال یہ تو

نہ تھا کہ ہم دُنیاوی امورات اور ضروریات میں غیروں کے محتاج ہوں۔ یقیناً دین کا کمال یہ ہے کہ کوئی مسئلہ اور پہلو ہماری زندگی کا ایسا نہ ہو جو اسی دین میں حل نہ کر دیا گیا ہو۔ جو لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور بیماری کے علاج کو قرآن وسنت سے باہر تلاش کرتے ہیں، اسلام کے دین کامل ہونے پر اُن کا اعتقاد نہیں ہے۔ لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی یہ تنبیہ فراموش نہ کرنی چاہیے کہ صاف صاف فرما دیا:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴿۸۵:۳﴾

اگر کسی نے سوائے دین اسلام کے اور کوئی طریقہ اختیار کیا تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا

یہی وجہ تھی کہ حضرت ایوب ﷷ نے اپنی اتنی خدمت گزار اور وفا شعار بیوی کو سو۱۰۰ کوڑے مارنے کی قسم کھائی، اور صرف اتنی سی غلطی پر کہ انہوں نے غلط راستے کا اعتبار کیا۔ غلطی تو اُس وقت ہوتی جب وہ بغیر پوچھے گچھے مرغ ذبح کر کے کھلا دیتیں۔ انہوں نے تو آ کر پوچھا تھا کہ ایک طبیب نے ایسا مشورہ دیا ہے، اور صرف اتنی سی بات پر سزا دینے کا ارادہ کیا۔ سبحان اللہ!۔ نبوت کی نظر میں خدا سے ہٹ کر اُس کے دشمن کی طرف توجہ کرنا ہی بہت بڑی غلطی تھی۔ اس لیے سزا دینے کی قسم کھائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے شوہر کی خدمت گزاری اور وفا کیشی کو قبول فرما کر انہیں خاص بندی بنا لیا تھا۔ اس لیے حکماً سزا سے بچا لیا اور ان تمام اہم رازوں کو ظاہر کرنے کے لیے قرآن میں اس کا ذکر فرمایا۔۔۔ فالحمد للہ علیٰ دین الاسلام وهداية القرآن وعلوم الفرقان۔

'طبِ اسلامیؒ' کے نظری کلیات:

اب تک جو بھی لکھا گیا وہ 'طب اسلامی' کے 'نظری کلیات' کے لیے 'مبادیات' کا ضروری علم تھا اور ان تمام معلومات کی روشنی میں جو کلیات ہم مرتب کر سکتے ہیں، وہ یہ ہیں:

☆ کارخانہ عالَم میں 'خیر وشر' کی دو۲ متضاد اور ہمہ گیر طاقتیں ہر ذرّہ میں یکساں موجود ہیں۔

☆ شر کے تمام جزویات کا مخزن 'آگ' ہے، اور 'خیر' کے تمام جزویات کا مخزن 'پانی'۔

☆ پانی ہمہ رحمت ونعمت وشفا وراحت وجنت ہے، اور آگ ہمہ زحمت وعسرت وبیماری وعذاب اور دوزخ۔ اس لیے قرآن کریم میں آگ سے پرہیز کرنے کا سبق دیا گیا ہے۔

رَبَّنَا ۔۔۔ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱:۲﴾ اے اللہ!۔۔۔ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا

ہمارے زمانے کے علماء نے اس دُعا کو صرف دوزخ کے عذاب سے بچنے پر محمول کیا ہے۔ اگر اس آیت میں صرف دوزخ سے بچنا مراد ہوتا تو آسانی سے کہہ سکتے تھے۔۔۔ رَبَّنَا وَقِنَا عَذَابَ جَهَنَّمَ (اے اللہ! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا)۔ 'آگ' کا صاف طور پر نام لینے کے یہ معنی ہیں کہ دُنیا اور

آخرت دونوں جگہ کی آگ سے پناہ مانگی جائے اور 'نار' پر الف لام استغراقی' استعمال کرنے سے 'آگ' اپنی تمام اقسام و اجزا کو محیط ہوگئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ۔۔۔ اے اللہ! ہمارے رگ و ریشے، قلب و دماغ و جگر، حواس و ادراک، تخیلات و توہمات، ایمان و اعتقاد میں، آگ کے اثرات اور جسم سے باہر ہر قسم کی آگ، الیکٹرک، گیس، بارود، موسمی لو، گرم پانی کے مضر اثرات اور قیامت میں دوزخ کی آگ سے بچا۔

اور اللہ تعالیٰ اس دُعا کے کرنے والوں میں صرف اُن لوگوں کو بچاتا ہے جو خود بھی ان سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص منہ سے یہ دُعا کرے اور خود بچنے کی کوشش نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ بھی اُسے بچانے کی ذمہ داری نہیں لیتا، اور فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۳:۷۶﴾ اللہ تعالیٰ پرہیز کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے

۔۔۔اور۔۔۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ۔۔۔ ﴿۲۸:۷۷﴾

اللہ تعالیٰ فساد قبول کرنے اور فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا

اسلام میں اسی پرہیز کو 'اتقا' کہا گیا ہے۔ کھانے میں، نیت و ارادے میں، افعال و حرکات میں، غرض ہر چیز میں 'ناری اثرات' سے پرہیز کرنا 'اتقا' کہلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں آگ سے خود اس درجہ پرہیز کیا ہے کہ کبھی گرم کھانا تناول نہیں فرمایا، اور اُمت کو حکم دیا کہ کھانے کے ٹھنڈا ہو جانے کا انتظار کریں، اور پھونک مار مار کر کھانا شروع نہ کریں۔

'آگ' کے مقابلے میں 'پانی' وہ وسیع رحمت ہے جس کے اعتبار سے پانی کو 'خدا کا عرش' کہا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عام و خاص دونوں پانی سے متعلق ہیں۔ انسان کی پیدائش متحرک پانی سے ہوئی۔۔۔ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ﴿۸۶:۶﴾ (ہم نے اس کو اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا)۔ اور ہر چیز کا بقا و قیام پانی پر منحصر کیا گیا۔۔۔ كُلُّ شَيْءٍ حَيٌّ عَلَى الْمَاءِ۔ (ہر چیز پانی پر زندہ ہے)۔

یہاں 'ہر چیز' میں صرف ایک مادی مخلوق 'آگ' 'مستثنیٰ' ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ سوائے آگ کے ہر چیز کے لیے پانی 'اثباتی طاقت' ہے، لیکن آگ کے لیے پانی 'منفی' ہو جاتا ہے اور آگ، پانی کے لیے منفی ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، اس لیے آگ سے بچنے کے لیے پانی ایک لازمی عنصر ہے۔

۔۔۔ موسیٰ ؑ نے اللہ تعالیٰ سے پانی کی دُعا کی تھی:

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۲:۶۰﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔ جب انہوں نے پتھر پر اپنی لکڑی ماری تو اُس سے بارہ ۱۲ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر شخص نے اپنا گھاٹ جان لیا۔ (پس تم بھی) کھاؤ، پیو اللہ کا رزق، اور زمین پر فساد پھیلاتے مت پھرو

موسیٰ (علیہ السلام) نے بارش کی دُعا نہیں کی تھی بلکہ 'ایسا پانی' طلب کیا تھا جو اُنکی قوم کی تمام ضرورتوں کو پورا کر سکے اور جب خدا کے حکم سے انہوں نے پتھر پر عصا مارا تو اُس سے بارہ ۱۲ چشمے پھوٹ پڑے۔

یہ بارہ ۱۲ کی قید ایک معمّا ہے۔ مفسرین کا قول یہ ہے کہ اُس وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ بارہ ۱۲ گروہ تھے۔ ایک ایک گروہ کے لیے ایک ایک چشمہ الگ الگ پیدا کیا گیا تھا۔ ہم مفسرین کے اس قول کی تردید۔۔۔یا۔۔۔اس سے اِنکار تو نہیں کرتے، مگر غور کرنے کا حق ہم کو بھی حاصل ہے کہ قرآن میں فرمایا ۔۔۔ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۷:۱۷۶) (کاش وہ غور و فکر کریں)۔۔۔ اور حدیث میں فرمایا۔۔۔ تَفَكَّرُوْا فِي اٰلَاءِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی آیات و نشانیوں میں غور و فکر کرو)۔

پس جب ہم اِس پر غور کرتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ بارہ ۱۲ گروہ آپس میں اس درجہ چھوت چھات اور پرہیز سے کام لیتے تھے کہ اُن کو الگ الگ بارہ ۱۲ چشموں کی ضرورت پڑی یا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ایک ناقص معجزہ عطا فرمایا تھا جو ایک ہی چشمے سے سب کی ضرورتیں پوری نہ کر سکتا تھا؟ تو دونوں سوال نفی کی حد سے آگے نہیں بڑھتے۔

اس طرح ایک بات اور بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم کی بارہ ضروریات کو محسوس کیا جو پانی سے متعلق ہیں تو خدا سے ایسے پانی کی دُعا کی جو اُنکی اُن بارہ ۱۲ ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُنکے لیے پتھر سے ایک چشمہ نکالا جس میں انسان کی بارہ ۱۲ ضروریات کو رفع کردینے کا پورا پورا اثر موجود تھا۔ اور اُن افراد میں سے ہر ایک کو یہ بتادیا کہ تم اپنی اُن بارہ ۱۲ ضرورتوں کو اِسی ایک پانی سے دُور کر سکتے ہو۔ اور یہ 'قیاس' اِس اندازِ کلام سے پیدا ہوتا ہے کہ فرمایا۔۔۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۔۔۔ مَشَارِبَهُم 'نہیں فرمایا، یعنی ہر شخص نے اپنی ضرورت کا ایک ہی گھاٹ جان لیا۔ ورنہ لازم تھا کہ 'اُناس' جمع کے صیغے میں ہے، تو 'مشارب' بھی جمع کے صیغے میں ہوتا۔

بہر حال ہمیں اِس پر اصرار نہیں ہے لیکن چونکہ اُس ایک پانی میں انسان کی بارہ ۱۲ ضرورتیں آج بھی پوری ہوتی ہیں، اس لیے اگر ہم یہ معنی لیں تو یقیناً قرین قیاس ہوگا اور وہ بارہ ۱۲ ضرورتیں یہ ہیں:

(۱)۔۔۔ پیاس کے وقت پانی سے تسکین حاصل کرنا۔

(۲)۔۔۔ بدن کے میل کچیل دُور کرنے کے لیے۔

(۳)۔۔۔جنابت سے باہر آنے کے لیے۔

(۴)۔۔۔گرمی کے اثرات سے جسم کو تسکین پہنچانے کے لیے غسل کرنا۔

(۵)۔۔۔کپڑے دھو کر پاک وصاف کرنا۔

(۶)۔۔۔قضائے حاجات کے بعد نجاست کو پاک کرنا۔

(۷)۔۔۔عبادات کے لیے وضو کرنا۔

(۸)۔۔۔غصہ فرو کرنے کے لیے پانی پینا، وضو کرنا۔

(۹)۔۔۔زمین کی گرمی کو دُور کرنے کے لیے اور آرام کے قابل بنانے کے لیے چھڑکاؤ کرنا۔

(۱۰)۔۔۔اپنے جانوروں کو پانی پلانا۔

(۱۱)۔۔۔روح کے غیر موزوں اثرات، یعنی روحانی بیماریوں کو زائل کرنا۔

(۱۲)۔۔۔جسم کی تکلیف دہ علامات یعنی جسمانی بیماریوں کو دُور کرنا۔

یہ وہ بارہ ۱۲ ضرورتیں ہیں جن کی 'کُل اناس'، یعنی ہر فرد کو ضرورت ہے۔ اور ان تمام بارہ ۱۲ ضرورتوں کے لیے صرف ایک مشرب یعنی پانی کا طریق عمل کافی ہے۔

اس معنی سے ہمیں بڑی مدد مل جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں موسیٰ علیہ السلام کو بھی پانی کے علاج کا طریقہ بتایا گیا تھا، اور وہ اُس پر عامل تھے۔ لیکن یاد رہے ہم نے ان معانی سے صرف مدد لی ہے، اُس کی صداقت پر اصرار۔۔۔یا۔۔۔مفسرین کی رائے کا اِنکار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام غلط فہمیوں سے محفوظ رکھے۔

پس 'طب اسلامی' کے 'نظری کلیات' اس اعتقاد پر ختم ہو جاتے ہیں کہ 'بیماری صرف ایک ہے' اور اُس بیماری کا نام 'غلبۂ شیطان' ہے۔ اور چونکہ 'شیطان' ناری مخلوق ہے، اس لیے 'ٹھنڈے پانی' اور 'نوری کلام' سے کامل یقین کے ساتھ مغلوب کیا جا سکتا ہے، اور بس یہی 'علم الابدان' ہے جس کا حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے:

حدیث:۔۔۔ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔۔۔ جب بھی کوئی مسلمان بندہ وضو کرے اور اپنا چہرہ 'پانی کے قطروں کے ساتھ' دھوئے تو اُس کے چہرے سے ہر وہ خطا بھی ساقط ہو جاتی ہے جو اُس نے نگاہ سے دیکھ کر ارتکاب کی ہو، اور جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوئے تو ہاتھوں سے کی ہوئی ہر خطا ساقط ہو جاتی ہے، اور جب وہ اپنے پاؤں کو دھوئے تو ہر وہ خطا ساقط ہو جاتی ہے جو اُس نے پاؤں سے چل کر کی ہو، یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہوتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ گناہوں

(کی گندگی) سے پاک ہو چکا ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

کلام کا اثر شیطان پر:

اِس بات کو سمجھنے کے لیے کہ شیطان پر کلام کا کیا اثر ہوتا ہے، ضروری ہے کہ پہلے 'آواز' کا اور پھر 'آواز میں کلمات' کا اثر معلوم کریں، تو یہ بات عام تجربے سے ثابت ہے کہ مطلق آواز کا اثر انسان کے قلب وروح پر ہوتا ہے، مثلاً: چڑیوں کا چہچہانا، پپیہے اور مور کا کوکنا، بادل کا گرجنا، شیر کا دھاڑنا، گدھے کا رینکنا، ندی اور آبشار کا شور، موسیقی میں ہر ایک ساز کی جداگانہ آواز، مخصوص اثرات کی حامل ہوتی ہے۔

جب ہم ان کے اثرات پر غور کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ ہم بعض آوازوں کو سن کر فرحت وخوشی اور ذوق محسوس کرتے ہیں اور بعض آوازوں سے خوف رنج اور کدورت پیدا ہوتی ہے۔ بعض 'اثرات' اپنی آواز کے ساتھ اس درجہ یقینی ہوتے ہیں کہ جب جب ہم اُس آواز کو سنیں وہی اثر ہوگا۔ مثلاً: شیر کے دھاڑنے کی آواز سے صرف خوف لاحق ہوتا ہے، کبھی خوشی اور مسرت پیدا نہیں ہوسکتی۔ پرندوں کی جداگانہ آواز میں جو جو اثرات ہیں وہی ہوں گے، اس کے خلاف نہیں۔ لیکن موسیقی کے سازوں میں یہ اثرات اپنے نغمہ وترنم اور راگ راگنی کے اعتبار سے رنج وخوشی، لطافت وکدورت اور جوش وسکون میں جداگانہ ہوتے ہیں، اور یہ سازندے کے ارادے پر منحصر ہوتے ہیں کہ وہ اُسی ساز سے جیسے اثرات چاہے پیدا کرسکتا ہے۔

اس میں خاص نکتہ یہ ہے کہ پرندوں کی آواز جو 'خلقی اور فطری' ہے، وہ اپنے 'مخصوص اثرات' کو تبدیل نہیں کرتی اور سازوں کی آواز جو 'فطری' نہیں بلکہ 'انسانی صنعت' کا نتیجہ ہے، انسان جو اثر چاہے اُس میں پیدا کرسکتا ہے۔ آواز کے یہ دونوں 'متضاد اثرات' دو[۲] جداگانہ ناموں سے متعین کیے جاتے ہیں۔ یعنی وہ تمام آوازیں جو فرحت وخوشی، ذوق وجذبہ، قلبی لطافت اور روحانی سکون کا اثر رکھتی ہیں، 'نوری آوازیں' کہلاتی ہیں اور جن آوازوں میں خوف ورنج، انقباض وکدورت اور بے چینی کا اثر ہوتا ہے، انہیں 'ناری آوازیں' کہتے ہیں۔ اسی طرح جب ہم کسی آواز کو پہچاننا چاہتے ہیں کہ وہ نوری ہے۔۔۔یا۔۔ ناری، تو اپنے دل پر اُس کے اثرات کو محسوس کرکے آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔ اس کے بعد جب ہم مزید غور سے کام لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ 'نوری' اور 'ناری' آوازوں کی حدود متعین ہیں۔ جب ایک 'نوری آواز' اپنی اثرِ حد سے آگے بڑھ جاتی ہے تو 'ناری' ہوجاتی ہے اور جب 'ناری آواز' اپنی حدودِ اثر سے نیچے اُتر آتی ہے تو 'نوری' ہوجاتی ہے، مثلاً: جب کسی ساز پر لوری کی مدہم صدا نرمی ولطافت کے ساتھ گونجتی ہے تو ہمیں نیند آجاتی ہے۔ یہ 'نوری' آواز کہلائے گی، لیکن اگر یہی آواز بلند اور پُر شور اور سمع خراش

بنادی جائے تو 'ناری' ہو جائے گی۔ اسی طرح بادل کی گرج 'ناری' آواز ہے لیکن اگر دُور سے بہت ہلکی ہلکی اور سامعہ نواز آواز آ رہی ہو تو 'نوری' ہو جائے گی۔

اب اِس جگہ یہ خاص نکتہ بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ سامع کی قوتِ سماعت جس آواز کی عادی ہو جاتی ہے، اُس پر اُس آواز کا اثر غیر محسوس ہو جاتا ہے۔ مثلاً: اگر کوئی شخص 'سامعہ خراش' آوازوں کا عادی ہو جائے تو یہ ناری آواز اُس پر اپنی ناریت کا اثر تو ضرور کرے گی مگر اُسے محسوس نہ ہوگا۔ اِسی طرح اگر کوئی شخص 'سامعہ نواز' آوازوں کا عادی ہو جائے تو وہ نوری آواز اپنی نورانیت کا اثر تو ضرور کرے گی مگر اُس کے لیے غیر محسوس ہو جائے گا۔ اِسی طرح ناری اور نوری آواز محسوس۔۔یا۔۔غیر محسوس اپنا اثر ضرور پیدا کرتی ہیں۔

کلام کے اثرات:

کلام انسان ناطق کے لیے مخصوص ہے۔ جس طرح محض آواز کے اثرات ہوتے ہیں، بعینہٖ اُسی طرح کلام کے اثرات بھی ہوتے ہیں۔ اگرچہ کلام اپنی صفت کے اعتبار سے بذاتِ خود نوری۔۔یا۔۔ناری ہوتا ہے، لیکن آواز کی نوریت یا ناریت بھی اُس کے اثر میں شامل ہوتی ہے۔

اگر ہم غور کریں تو کلام کے اثرات ہر آن ہم پر مرتب ہوتے رہتے ہیں، مثلاً: ہمارا شیر خوار بچہ جب اماں اور ابا کہتا ہے تو ہمارے دل میں محبت، خوشی اور جوشِ شفقت پیدا ہوتا ہے اور ہم بچہ کے اُس کلام میں کتنی نورانیت محسوس کرتے ہیں۔ یہ نورانیت صرف لفظ اماں یا ابا کی نہیں ہے بلکہ اُس میں بچہ کی آواز کی نورانیت بھی شامل ہوتی ہے، ورنہ اگر کوئی دوسرا یہی لفظ کہتا ہے تو وہ نورانیت حاصل نہیں ہوتی۔

اِس کے یہ معنی ہوئے کہ لفظ اماں یا ابا میں نورانیت تو ہے لیکن اُن کی نورانیت اُسی وقت موثر ہوتی ہے جب وہ اپنے بچہ کی آواز میں ہو۔ اِسی طرح جب ہمارا دوست محبت واحترام کے کلمات سے ہم کو مخاطب کرتا ہے تو ہم اُس میں نورانیت محسوس کرتے ہیں، مثلاً: وہ کہتا ہے 'میرے عزیز دوست' تو ہمارے دِل میں دوستی کے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کلمہ 'نوری' ہے لیکن اس کی نورانیت کو موثر بنانے کے لیے دوست کی آواز اور اس کی نورانیت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب یہی نوری کلمہ ہمارا دشمن اَدا کرتا ہے تو دوستی کے اثرات کی بجائے دشمنی کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔

اِس سے یہ بات یقینی ثابت ہو جاتی ہے کہ جس طرح محض آواز میں نوری وناری اثرات ہوتے ہیں، اُسی طرح محض کلمات میں بھی نوری وناری اثرات ہوتے ہیں، لیکن جب یہ کلمات کسی آواز سے متاثر ہو کر صادر ہوتے ہیں تو اُس سے مغلوب بھی ہو جاتے ہیں۔

نفرت ورغبت:

اوپر کی تشریح سے واضح ہو گیا کہ نوری وناری آواز وکلمات ایک دوسرے کی ضد ہیں، اسی لیے نورانیت کی حامل قوتیں ناری آواز وکلمات سے اور ناریت کی حامل قوتیں نوری آواز وکلمات سے نفرت کرتی ہیں اور ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش بھی کرتی ہیں، یعنی نور غالب ہوتا ہے تو تاریکی دُور ہو جاتی ہے اور نار غالب ہوتی ہے تو روشنی ختم ہو جاتی ہے۔ (شمع کی لَو میں جب ناریت غالب ہوتی ہے تو اُس کی روشنی نکل کر پھیلتی ہے اور رفتہ رفتہ بالکل ختم ہو جاتی ہے)۔

اتنا سمجھ لینے کے بعد ہم آسانی سے تسلیم کر سکتے ہیں کہ شیطان پر بھی آواز اور کلمات کا اثر ہوتا ہے۔ ناری آواز وکلمات سے شیطان خوش ہوتا ہے اور راحت پاتا ہے لیکن نوری آواز وکلمات سے نفرت کرتا اور دُور بھاگتا۔۔۔یا۔۔۔مغلوب ہو جاتا ہے، اسی لیے قرآن کریم میں ہم کو سبق دیا گیا ہے:

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ط ﴿۷:۲۰۰﴾

۔۔۔یعنی جب شیطان تم کو گدگدائے تو۔۔۔اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔۔۔کہہ کر خدا کی پناہ میں آجاؤ۔۔۔یا۔۔۔حدیث میں آیا ہے کہ۔۔۔لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ۔۔۔کہا کرو۔ چونکہ یہ کلمات 'نوری' ہیں۔ جب مؤمن بندہ اپنی نوری آواز کے ساتھ اِن کلمات کو اَدا کرتا ہے تو اِن کا نور غالب آجاتا ہے، لیکن اگر یہی کلمات کوئی کافر۔۔۔یا۔۔۔شیطان اَدا کرے تو اِن کلمات کی 'نورانیت' مؤثر نہ ہوگی بلکہ 'ناریت' سے مغلوب ہو کر شیطان کی تفریح کا باعث ہوگی۔

اصولِ معالجت:

کلیات میں ہماری بیان کردہ توضیح اگر اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ انسان کی بارہ[12] ضرورتیں صرف ایک پانی سے حاصل ہوتی ہیں تو ہمیں یہ غور کرنا ہوگا کہ اسلام نے اُن کے لیے کیا قوانین مقرر کیے ہیں۔ اور ہم ایک ایک ضرورت کے وہ خاص طریقے بیان کریں گے جو تمام مذاہب کے طور طریق سے ارفع واعلیٰ اور کامل ہیں۔

(۱)۔۔۔**پیاس کے وقت پانی پینا:**

یہ ایک ایسی عام ضرورت ہے جو ہر شخص کو ہمہ وقت لاحق ہوتی ہے، لیکن اِس کے باوجود اس کے تعلق سے دُنیا کے کسی مذہب نے کوئی خاص تاکید۔۔۔یا۔۔۔ہدایت نہیں کی ہے۔ ہر شخص اپنی اس ضرورت کو اپنی مرضی کے مطابق پوری کرتا ہے۔ مذہبِ اسلام نے ہمیں جو طریقہ بتایا ہے، اُس میں۔۔۔

(۱)۔۔۔پانی کا داہنے ہاتھ سے پینا،

(۲)۔۔۔آہستہ آہستہ مزا لے کر پینا،
(۳)۔۔۔درمیان میں کم سے کم ایک سانس ضرور لینا،
(۴)۔۔۔بیٹھ کر پانی پینا،
(۵)۔۔۔برتن کو منہ سے لگانے کے بعد سانس روک لینا،
(۶)۔۔۔شدید پیاس کے وقت عجلت اور گھبراہٹ سے پانی نہ پینا،
(۷)۔۔۔وضو کے بعد بغیر پیاس کے بھی تھوڑا سا پانی پی لینا، وغیرہ۔۔۔سنت میں داخل ہیں۔

☆ داہنے ہاتھ سے پانی پینا اس لیے کہ ہم 'اثباتی سلسلے' میں داخل ہونے کی نیت کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں 'اصحاب یمین' میں داخل فرمائے۔

☆ آہستہ آہستہ مزا لے کر پینا اس لیے کہ لعاب کی گلٹیاں زیادہ سے زیادہ پانی میں لعاب شامل کر سکیں اور خود بھی پانی کی 'قوت حیات' سے اچھی طرح سیراب ہو جائیں۔

☆ درمیان میں سانس لینا اس لیے کہ طمانیت قلب میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

☆ عجلت اور گھبراہٹ سے اس لیے بچنا کہ پانی حنجرہ میں داخل ہو جائے۔

☆ بیٹھ کر پانی پینا اس لیے کہ کھڑے ہونے میں اعصاب پر بار ہوتا ہے اور اعصاب کما حقہ پانی سے تسکین حاصل کرنے کے لیے فارغ نہیں ہوتے۔

☆ پانی پینے کے درمیان سانس روک لینا اس لیے کہ سانس سے نکلنے والے ابخرات پانی میں تحلیل نہ ہو جائیں۔

☆ وضو کے بعد پانی اس لیے پینا کہ ظاہری اعضا کی طرح باطنی اعضا بھی پاکیزگی حاصل کریں۔ لیکن ایک سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ پانی پینے کے دوران، سر کھلا ہوا نہ ہو۔ چونکہ جاگنے کی حالت میں سر کو ٹوپی سے یا صافہ سے لپیٹے رکھنا 'اسلامی شعار' میں ایک عام سنت ہے، اس لیے پانی پینے کی حالت میں یہ کہنے کی ضرورت نہ رہی کہ سر کو ڈھک لیں۔ ورنہ یہ نہایت ضروری ہے اور ہم سائنس کے 'نقطۂ جوش' کے ماتحت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ہم سر کھول کر پانی پئیں گے تو جسم کا بالائی حصہ یعنی سر پہلے ٹھنڈا ہوگا، 'نقطۂ جوش' کم ہو کر پیڑو میں جوش پیدا کرنے کا باعث ہوگا، اور شیطان کو تقویت حاصل ہوگی۔

(۲)۔۔۔بدن کی میل کچیل دور کرنا:
اس مقصد کے لیے بھی پانی اہم ترین عنصر ہے۔ بغیر پانی کے ہم اپنے بدن کو کثافت سے صاف نہیں کر سکتے۔ اسلام میں صفائی اور نظافت کی خاص تاکید کی گئی ہے۔ روزانہ نہیں تو کم سے کم ہفتہ میں ایک

بار بالخصوص جمعہ کے دن غسل کر کے بدن، پسینے اور میل سے اچھی طرح صاف کرنا 'سنت مؤکدہ' ہے اور اس کا طریقہ نہایت وضاحت کے ساتھ بتادیا گیا ہے کہ جب ہم غسل کرنے کا ارادہ کریں تو پہلے اپنے ناپاک اعضا کو کم سے کم تین ۳ مرتبہ مَل مَل کر اور پانی بہا کر دھوئیں۔ یہ صرف اس لیے نہیں ہے کہ ناپاک اعضا کی نجاست کو دُور کریں بلکہ ناپاک اعضا سے مراد 'ستر' ہے، یعنی ناف سے گھٹنوں تک، اگر یہ ناپاک نہ ہوں تب بھی غسل کرنے کے لیے سب سے پہلے ان کا دھونا تاکیدی ہے تاکہ پہلے 'مقامِ ناف' جو ہمارے جسم کی دوزخ ہے مغلوب ہو جائے۔ اور 'نقطۂ جوش' کم ہونے کی صورت میں بھی جوش پیدا نہ کر سکے۔ اگر یہ احتیاط نہ کی گئی تو زکام ونزلہ، درد سر اور دیگر عوارضات کا احتمال ہوتا ہے۔

ہزاروں افراد جو غسل سے تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں، صرف اس لیے کہ 'مقامِ جوش' کو ٹھنڈا کرنے سے قبل جسم کا بالائی حصہ ٹھنڈا کر لیتے ہیں، اور جوش پیدا ہو کر شیطان کو غالب کرتا ہے اور وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ اگر اس مسنون طریقے پر توجہ کے ساتھ عمل کریں یعنی نہانے سے پہلے اپنا پیڑو اور ناف اچھی طرح دھو کر ٹھنڈا کر لیں تو تمام بیماریوں کا سدباب ہو جاتا ہے۔ اب جبکہ مقامِ جوش ٹھنڈا ہو گیا تو وضو کریں۔ وضو کا مقصد اپنے اطراف سے 'حرارتِ غریبہ' کو مغلوب ہو کر روح کو تازگی اور نور پہنچاتا ہے (اس کا مفصل بیان وضو کے عنوان میں تحریر کیا جائے گا)۔ وضو کے بعد گردن کے نیچے سارا جسم صابن یا نہانے کی مٹی سے مَل مَل کر دھونا اور آخر میں سر پر پانی ڈال کر صابن۔۔۔یا۔۔ مٹی کے ذریعہ دھوڈالنا ہے۔

غسل کا یہ صحیح طریقہ اسلام میں مسنون ہیں۔ اس طریقے سے غسل کرنے والے تمام بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے شکایت کرتا ہے کہ اُس نے غسل کیا تھا اور اُسے کوئی تکلیف ہو گئی تو دعوے کے ساتھ اُس سے کہہ دیجیے کہ تم نے غلط طریقے سے غسل کیا تھا اس لیے بیمار ہو گئے، اگر غسل میں غلطی نہ کرتے تو ہرگز بیمار نہ ہوتے۔ غرض یہ دوسری ضرورت بدن کی میل کچیل دُور کرنا بھی پانی سے پوری ہوتی ہے۔

(۳)۔۔۔جنابت کو دُور کرنے کے لیے غسل کرنا:

کسی مذہب میں جنابت کا مسئلہ اتنا روشن اور صاف و واضح نہیں ہے جتنا اسلام میں۔ کوئی فرد انسان اس مسئلہ کی حقیقت کو جانے بغیر خود کو جنابت کی ناپاکی سے پاک نہیں کر سکتا۔۔۔(اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ)۔ لذت کے ساتھ اخراجِ منی، احتلام، دخول حشفہ، جنابت کے اسباب ہیں۔ جن کی وجہ سے 'حرارتِ غریبہ' پیدا ہو کر پیڑو میں جوش پیدا کرتی ہے اور شیطان کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے اسلام میں فوراً غسل فرض کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس فرض کو ادا کرنے میں تاخیر کرتا ہے

تو وہ یقیناً اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں دُنیا کا عذاب بیماری کی صورت میں اُسے لازمی بھگتنا پڑتا ہے۔ اسی لیے اسلام میں غسل فرض ہے۔ اور اس کا وہی طریقہ جو 'غسل صفائی' میں بیان کیا گیا ہے، ضروری ہے۔ لیکن 'غسل جنابت' میں وضو کے بعد ہی سر پر پانی ڈالنا جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

(۴)۔۔۔ گرمی کے اثرات سے تسکین حاصل کرنے کے لیے غسل کرنا:

موسم گرما میں۔۔یا۔۔بخار کی شدت میں غسل کرنا۔۔یا۔۔کوئی عضو ٹھنڈا کرنا جائز اور مسنون ہے۔

گرمی میں عام طور سے لوگ یہ غسل کرتے ہیں۔ بخار میں غسل کرنے کا بیان جو حدیث سے ثابت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ۔۔۔ 'بخار جہنم کی آگ ہے، اسے پانی سے ٹھنڈا کرو'۔ (مفصل طریقے پر علاج کے عنوان میں بتایا جائے گا)۔

اِس میں بھی اِس بات کا خاص خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ پیڑو کا حصہ اچھی طرح ٹھنڈا ہونے سے قبل ہاتھ پاؤں یا سر کو ٹھنڈا نہ کیا جائے ورنہ بجائے تسکین کے بیماری حاصل ہوگی۔

(۵)۔۔۔ کپڑے دھو کر پاک وصاف کرنا:

آج دُنیا کے تمام مذاہب کپڑوں کی صفائی پر پورا زور دیتے ہیں لیکن اسلام نے کپڑوں کی صفائی سے زیادہ اُن کی پاکی کا حکم دیا ہے اور یہ کسی مذہب کو حاصل نہیں۔ کپڑوں کی صفائی اور ہے اور پاکی اور۔ یہ صرف اسلام کا احسان ہے کہ جس نے کپڑوں کی پاکی کے قوانین ہمیں بتلائے اور وہ یہ ہیں کہ کپڑوں کو صاف کرنے کے بعد تین ۳ مرتبہ پاک پانی میں غوطہ دے کر۔۔یا۔۔پانی ڈال کر نچوڑیں اور ہر مرتبہ ہاتھ دھوئیں۔ لیکن آج کل ہم مسلمان بھی اِس کا خیال نہیں رکھتے، ہمارے کپڑے زیادہ تر دھوبی دھوتے ہیں۔ وہ دھوبی جو پاک وصاف جاری پانی میں کپڑے دھوتے ہیں وہ تو بلا ارادہ بھی پاکی کی حد میں آجاتے ہیں، لیکن وہ دھوبی جو ایسے بند پانی میں کپڑے دھوتے ہیں جو قلتین کی حد میں نہیں ہیں، وہ کپڑے اُس وقت تک ہرگز پاک نہ ہوں گے جب تک انہیں تین ۳ مرتبہ پاک پانی میں پاک کرنے کی نیت سے غوطہ نہ دیا جائے۔۔یا۔۔پانی ڈال کر نہ نچوڑا جائے۔

اس طرح دھوبیوں کے چھوٹے چھوٹے تالاب۔۔یا۔۔کپڑا دھونے کی مشین کپڑوں کو صاف تو کرسکتیں ہے مگر پاک نہیں کرسکتیں۔ ہم عمدہ سفید دھلے ہوئے کپڑے دیکھ کر خوش ہوجاتے ہیں مگر وہ کپڑے ہماری روح کو پاکی وطہارت نہیں دے سکتے۔ ان صاف کپڑوں سے ہمارا شیطان تو خوش ہو سکتا ہے مگر ہمارے دل کو طہارت کا نور حاصل نہیں ہوسکتا، اور ہم اپنی عبادات سے صحیح فائدہ نہیں اُٹھا

سکتے۔ اسی لیے شریعت میں کپڑوں کی ظاہری صفائی سے زیادہ اُن کی پاکی کا حکم دیا گیا ہے۔

(۶)۔۔۔ قضائے حاجات کے بعد نجاست کو پاک کرنا:

ہماری یہ ضرورت بھی پانی کے علاوہ کسی دوسری چیز سے پوری نہیں ہوسکتی۔ اور یہ مسئلہ بھی اسلام میں تمام دیگر مذاہب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ بعض تو میں صرف کاغذ سے پونچھ لینے کو کافی سمجھتی ہیں۔ بعض برائے نام دھو لینے پر اکتفا کرتی ہیں۔ لیکن اسلام نے پہلے مٹی کے ڈھیلے سے استنجا کرنے اور بعد میں پانی سے دھونے کے صاف صاف طریقے بتائے ہیں، یعنی پانی کے استعمال کے وقت زور دے کر مخرج کو کھلنے کی حد کھولنا اور بائیں ہاتھ کی بنصر کی دوسری اور تیسری پور درمیانی شکن کے اُبھار سے رگڑ کر چکنائی دور کرنا ضروری ہے۔ اگر مخرج میں چکنائی باقی رہے گی تو پاکی حاصل نہ ہوگی۔

(۷)۔۔۔ ہر وقت پاکیزہ رہنے اور بالخصوص عبادت کے لیے وضو کرنا:

یہ مسئلہ تو دُنیا کے تمام مذاہب میں انتہائی اچھوتا ہے۔ یہاں تک کہ انگریزی میں اس کا نام تک نہیں، صرف لفظ (Bath/Shower) سے کام نکالا جاتا ہے، جس کے معنی غسل، اشنان اور دھونے کے ہیں۔ یہ اسلام کا وہ خاص طریقہ ہے جس کی کسی دوسرے مذہب کو ہوا تک نہیں لگی۔ ہم اسے تفصیل سے بیان کرنے کی اجازت چاہتے ہیں، قارئین توجہ سے ملاحظہ فرمائیں:

'وضو' کے معنی، واؤ کے پیش سے، نماز کے لیے بطریق سنت منہ، ہاتھ، پاؤں دھونا۔ 'وَضو' کے معنی، واؤ کے زبر کے ساتھ، اس پانی کے ہیں جس سے وضو کریں۔ اور 'وِضو' کے معنی واؤ کے زیر کے ساتھ، اس برتن کے ہیں جس میں پانی لے کر وضو کریں۔ فارسی میں ان تینوں معنی کو ظاہر کرنے کے لیے ایک جملہ استعمال ہوتا ہے اور کہتے ہیں۔۔۔ وضو در وضو کرد و وضو کن۔ (یعنی لوٹے میں پانی لے کر وضو کرو) اس عمل میں بعض رکن فرض ہیں جو قرآن کی اس آیت سے ثابت ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ (۵:۶)

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے تیار ہو تو پہلے اپنا منہ دھوؤ اور ہاتھ کو کہنیوں تک اور سر کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک

۔۔۔ یہ چار 'ارکان' وضو میں فرض ہیں اور 'پاؤں کو ٹخنوں تک' معطوف ہے 'فاغسلوا' کا نہ 'وامسحوا' کا۔ اس لیے پاؤں کا دھونا فرض ہے (لیکن چونکہ 'وامسحوا' کے بعد آیا ہے، اس لیے اس وقت اس کا معطوف ہوگا۔ جب وضو کے بعد ہم نے چمڑی موزہ باندھ لیا ہو جو جوتے کے اندر پہنا جاتا ہے اور اُس کے کھولنے

باندھنے میں دشواری ہوتی ہے تو اس وقت اس پر مسح جائز ہو جائے گا۔

فقہ کے اس مسئلہ پر اس کا قیاس ہے کہ اگر مہندی لگانے سے پہلے وضو کر لیا ہے تو دوسرا وضو کرنے کے لیے مہندی مانع نہ ہوگی لیکن اگر مہندی لگانے سے پہلے وضو نہیں کیا ہے تو جب تک مہندی اتر نہ جائے گی، اس کا وضو نہ ہوگا)۔

اس کے علاوہ باقی جتنے رکن ہیں، وہ سب سنت ہیں۔ یعنی پہلے وضو کی نیت کرنا، دل اور زبان دونوں سے۔ دل سے یہ کہ وہ خدا کی عبادت کے لیے مخصوص طریقے سے وضو کر رہا ہے اور زبان سے یہ الفاظ ادا کرنا:

نَوَیْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ تَنْزِیْھًا لِلْحَدَثِ تَقَرُّبًا لِلّٰہِ وَاسْتِبَاحَۃً لِلصَّلٰوۃِ

میں وضو کی نیت کرتا ہوں حدث سے پاکی، خدا کا قرب حاصل کرنے، اور نماز کے جائز ہونے کے لیے

دل سے نیت کی ضرورت خلوصِ عمل کے اظہار کے لیے ضروری ہے، کیونکہ نیت پر اعمال کا دارومدار ہوتا ہے۔ اور زبان سے اس لیے کہ ظاہر اور باطن دونوں توجہ عمل کی طرف مائل ہو جائے اور عمل سے نور حاصل ہو۔ نیت کے بعد تین ۳ مرتبہ ہاتھ دھونا سنت ہے تا کہ 'حرارتِ غریبہ' کا میلان اطراف کی طرف ہو جائے اور یہ دُعا۔۔۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْیُمْنَ وَالْبَرَکَۃَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الشُّوْمِ وَالْھَلَکَۃِ

اے اللہ! میں تجھ سے یمن اور برکت مانگتا ہوں اور شومی و ہلاکت سے تیری پناہ چاہتا ہوں

۔۔۔ پڑھنا چاہیے تا کہ 'حرارتِ غریبہ' نے برکت و سلامتی میں جو کمی پیدا کر دی تھی، وہ کمی پوری ہو جائے اور اسی 'حرارتِ غریبہ' نے جو شومی و بدبختی کی استعداد پیدا کی تھی، وہ زائل ہو جائے۔ اس کے بعد تین ۳ مرتبہ کلی کرنا سنت ہے۔ کلی کرنے کا مقصد منہ، دانت، زبان اور تالو کی ظاہری و باطنی کثافت و عفونت کو دُور کرنا ہے، اُس وقت کی یہ دُعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ تِلَاوَتِ کِتَابِکَ

اے اللہ! اپنے ذکر و شکر اور کتاب یعنی قرآن کی تلاوت میں میری مدد فرما

ان الفاظ سے یہ تیقن حاصل ہوتا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ ہماری مدد نہ فرمائے، ذکر و شکر اور تلاوت سے ہمیں نور حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد تین ۳ مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا اور داہنی چھوٹی انگلی (خنصر) سے ناک میں تحریک کر کے صاف کرنا۔ اس کا مقصد وہ حاصل شدہ جراثیم اور کثافت جو سانس لینے میں یہاں رُوک لیے گئے ہیں، دُھل جائیں، اس وقت کی یہ دُعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ

اَے اللہ! مجھے جنت کی خوشبو سونگھا اور تو مجھ سے راضی ہو جا

اس کے معنی قیامت و آخرت میں جنت کی خوشبو کے لیے محدود نہیں ہیں، بلکہ دُنیا میں بھی جنت کی خوشبو ملتی ہے اور جو پاتے ہیں وہ جانتے ہیں۔ اور یہ اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ راضی ہو کر اُس کے 'شامہ' کو پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد بائیں ہاتھ سے ناک چھنکنا سنت ہے۔ اُس وقت کی یہ دُعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِ وَسُوْءِ الدَّارِ

اَے اللہ! میں آگ اور بُرے مکان کی بُو سے تیری پناہ مانگتا ہوں

آگ اور بُرے مکان جیسے قیامت میں ہیں، ویسے ہی اس دُنیا میں اُن کی مثال موجود ہے اور ہمارے جسم کی شیطانی گرمی بھی ہمارے شامہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور گندگیوں کی بدبو کا اثر بھی شامہ پر ہوتا ہے، اس لیے اُس کے مضر اثرات سے خدا کی پناہ طلب کی ہے۔

حدیث:۔۔۔ حضرت عمر بن الخطاب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بھی کوئی شخص تم میں سے وضو کرے اور پورے آداب کی رعایت کرتے ہوئے وضو کے بعد یہ کہہ لے۔۔۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

۔۔۔ تو جنت کے آٹھوں دروازے اُس کے واسطے کھل جائیں گے۔ جس دروازے سے اُس کا دِل چاہے داخل ہو جائے۔ (صحیح مسلم)

اس کے بعد تین ۳ مرتبہ منہ دھونا فرض ہے۔ جو سنتیں اِس سے پہلے اَدا کی گئیں وہ اِس فرض کی معاون ہیں۔ انسان کا چہرہ اُس کے باطن کا عکس ہے اور چہرے کا اثر اُس کے دِل و دماغ اور روح پر پڑتا ہے، اس لیے اس کا دھونا فرض ہوا۔

۔۔۔ نیز۔۔۔ ٹھنڈے پانی سے منہ دھونے میں تفریح کا اثر عوام کے تجربے میں ہے۔ چہرے کے اعصاب اور رواہن کی تمام شاخوں کا تعلق نخاع (ریڑھ کے مغز) سے ہے اس لیے جب چہرے پر پانی ڈالا جاتا ہے تو 'نخاعی اعصاب' تسکین پاتے ہیں اور اُن کی 'حرارتِ غریبہ' زائل ہو جاتی ہے، اس وقت کی یہ دُعا ہے:

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ بِنُوْرِکَ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اَوْلِیَائِکَ

اَے اللہ! میرے چہرہ کے نور کو سفید کر دے جس دن تو اپنے دوستوں کے چہرے سفید کرے گا

عربی میں یوم، ایام، وقت و زمانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس دُعا میں 'یوم' صرف

'قیامت' کے معنی میں نہیں ہے بلکہ دُنیا میں بھی چہرہ سفید ہونے کا وقت آتا رہتا ہے۔ اور جب ہم ظاہری وباطنی کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں تو چہرہ روشن ہوجاتا ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ یہاں سفید ہونے کے معنی صرف رنگ میں سفید ہوجانے، کے 'قیامت' کے لیے مخصوص ہیں۔ دُنیا میں یہ سفیدی صرف رونق، تازگی اور بشاشت کے معنی میں ہے۔

اس کے بعد داڑھی میں خلال کرنا سنت ہے۔ خلال میں سنتِ رسول ﷺ کا ثواب ہے اور بغیر داڑھی کے اس ثواب سے محرومی ہوتی ہے۔ دراصل بالوں کو حرکت دینے اور جھٹکنے سے 'کہربائی لہر' پیدا ہوتی ہے جیسے کہ کنگھی کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور سائنسدان اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ 'قوتِ کہربائی' منفی نہیں بلکہ مثبت ہے اور 'الیکٹرسٹی' کی ضد ہے جو نباتات اور حیوانات میں تازگی کا اثر پیدا کرتی ہے برخلاف 'قوتِ مقناطیسی' کے کہ وہ معدنیات پر دوڑتی ہے اور نباتات وحیوانات میں منفی ہونے کی وجہ سے جلانے اور مضمحل کرنے کا اثر کرتی ہے۔ اس وقت کی یہ دُعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ تَسْوَدَّ وَجْھِیْ یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْہُ اَعْدَائِکَ

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تو میرا چہرہ سیاہ کردے اُس دن جب تُو اپنے دشمنوں کا چہرہ سیاہ کرے گا

اور دُنیا میں بھی چہرہ سیاہ ہونے کا وقت آتا ہے۔ یعنی جب ہم اپنے گناہوں اور بدکرداریوں کو یاد کرتے ہیں تو دل میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے اور چہرے پر سیاہی دوڑتی جاتی ہے۔ جب لوگوں کی طعن وتشنیع اور الزام وحقارت کا سامنا ہوتا ہے تو چہرہ مکدّر ہوجاتا ہے۔۔۔ یا۔۔۔ مستقبل کا کوئی خوف واندیشہ لاحق ہوتا ہے تو چہرے کی رونق مفقود ہوجاتی ہے۔ یہ سب سوادِ وجہ میں داخل ہیں۔ اس کے بعد داہنا ہاتھ کہنیوں تک دھوتے ہیں۔ یہ رکن فرض ہے۔ اس وقت کی یہ دُعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اٰتِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَاباً یَّسِیْراً

اے اللہ! تُو میرا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دے اور میرا حساب آسان فرما

داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال کا دیا جانا ایک خاص 'شرعی کنایہ' ہے کہ جب اعمالِ خیر غالب ہوتے ہیں تو گویا داہنا ہاتھ وزنی ہوتا ہے اور 'اصحابِ یمین' کی طرف اشارہ کرتا ہے اور جب داہنے ہاتھ کی 'حرارتِ غریبہ' مغلوب ہوتی ہے تو 'حرارتِ غریزی' اُبھر کر کارِخیر کی استعداد پیدا کرتی ہے۔ اس کے بعد بایاں ہاتھ کہنیوں تک دھونا فرض ہے۔ اس وقت کی یہ دعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ تُوْتِیَنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ

اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تُو میرا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں۔۔۔ یا۔۔۔ پیٹھ کی طرف سے دے

ہمارے جسم کے بائیں اعضا' سے 'منفی طاقتوں' کا صدور ہوتا ہے جسے 'حرارتِ غریبہ' سے بڑی مدد ملتی ہے، جب پانی سے دھویا جاتا ہے تو 'حرارتِ غریبہ' مغلوب ہو جاتی ہے اور 'منفی طاقت' کا صدور رُک جاتا ہے۔ اس کے بعد سر کا مسح کرنا چوتھائی فرض اور اس سے زیادہ سنت ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو دُنیا کے کسی مذہب کو نصیب نہیں ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ انگلیوں کو تازہ پانی سے تر کر کے بطریق معروف سر کے بالوں پر پھیرتے ہیں۔ اگر اتفاق سے سر پر بال نہ ہوں جیسا کہ حج کے موقع پر حلق کرانے (منڈوانے) سے ہوتا ہے، تو بغیر بالوں کے بھی فرضیت کو انجام دینے کے لیے مسح کیا جاتا ہے۔ اُس وقت کی یہ دُعا ہے:

اَللّٰهُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِکَ وَاَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلَالِ عَرْشِکَ

اَے اللہ! مجھے اپنی رحمت میں چھپالے اور اپنے عرش کے سایے کے نیچے مجھے سایا عطا فرما

اللہ تعالیٰ قیامت میں تو مومنوں کو عرش کا سایا عطا ہی فرمائے گا۔ اس دُنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عرش کا سایا عام ہے اور یہاں بھی نیک لوگ عرش کے سایے میں رہتے ہیں اور انہیں بیماری کی حدت، موسمی گرمی کی تپش، اور آگ کی سوزش، کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی۔ یہ رحمت اُن صاحبِ مرتبہ اولیاء اللہ کے لیے ہوتی ہے جنہیں اس زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ اپنے قرب واتصال سے سرفراز فرماتا ہے۔ ہاں سر کے بالوں پر نم انگلیاں پھیرنے سے اُسی 'کہربائی لہر' کی پیدائش مقصود ہوتی ہے جو ہم نے داڑھی کے خلال کے بیان میں ذکر کی ہے، اسی لیے بالوں کا سر پر ہونا زیادہ مفید اور باعثِ ثواب ہے۔ اس سے دماغ کو تسکین، تازگی اور تقویت حاصل ہوتی ہے اور حواس اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔

اس کے بعد بطریق معروف کانوں کا مسح کرتے ہیں۔ یہ سنت ہے تاکہ 'آلۂ سماع' سے 'حرارتِ غریبہ' کا اثر زائل ہو اور قوتِ سماع کی نورانی لہروں کا ادراک کرنے کی استعداد حاصل کرے۔ اس وقت کی یہ دُعا ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ وَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ
وَاسْمِعْنِیْ مِنْ مُّنَادِیِ الْجَنَّةِ مَعَ الْاَبْرَارِ

اَے اللہ! مجھے اُن لوگوں میں بنادے جو تیرے کلام کو سنتے ہیں اور اچھی طرح اتباع کرتے ہیں
اور نیک لوگوں کے ساتھ جنت کے منادی کی آواز سننے کی توفیق عطا فرما

ایک 'جنت کا منادی' تو وہ ہوگا جو قیامت میں حساب کتاب کے بعد جنتیوں کو جنت میں داخل ہونے کے لیے پکارے گا، لیکن اس دُنیا میں بھی جنت کے منادی وہ لوگ ہیں جو صلاح وتقویٰ، عبادات،

نیک اعمال اور قوم کو اجتماعی و انفرادی فلاح و بہبود کے لیے پکارتے ہیں۔ چونکہ اس آواز کو سننے، سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے کی ہر شخص میں صلاحیت نہیں ہوتی، اس لیے خدا سے اس کی دُعا کی جاتی ہے۔

اس کے بعد بطریق معروف گردن کا مسح کرنا سنت ہے۔ گردن قلب و دماغ کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے، قلب سے 'رُوح حیوانی' جو دماغ کی طرف جاتی اور دماغ کی 'حس و حرکت' جو قلب تک پہنچی، گردن ہی سے ہو کر گزرتی ہے۔ اگر یہ گردن 'حرارت غریبہ' سے متاثر ہے تو 'روح حیوانی' اور 'قوت حس و حرکت' بھی اس سے متاثر ہو جائیں گی۔ پس گردن کو 'حرارت غریبہ' سے بچانا ضروری ہے اور یہ کام دن میں پانچ مرتبہ گردن کا مسح کرنے سے پورا ہوتا رہتا ہے۔

اس کے بعد داہنا پاؤں دھونا فرض ہے تاکہ خاک دھول صاف ہو جائے اور حرکت سے جو حرارت کا اثر ہوا ہے زائل ہو جائے، اس وقت یہ دُعا پڑھی جاتی ہے:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ مَعَ اَقْدَامِ الْمُؤْمِنِیْنَ

اے اللہ! میرے پاؤں کو سیدھے راستے پر قائم رکھ مؤمن بندوں کے قدموں کے ساتھ

۔۔۔ سیدھا راستہ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کا راستہ ہے۔ اس دُعا سے عزم و ارادہ کو تقویت بھی حاصل ہوتی ہے۔

۔۔۔ اس کے بعد بایاں پاؤں دھونا فرض ہے۔ اس کی یہ دُعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جس دن منافقوں کے قدم ڈگمگا جائیں گے

'صراط' کے معنی دُنیا میں سیدھے راستے کے بھی ہیں۔ قیامت میں اس کو 'پل' بھی کہتے ہیں جو بال سے بھی زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔ درحقیقت دُنیا میں مؤمن کی زندگی ایک ایسے ہی 'پل' سے گزر رہی ہے اور وہ امر و نواہی کے درمیان بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اس لیے اسے بھی 'صراط' کہا جاتا ہے۔ جو شخص اس دُنیا کے 'صراط' سے بغیر قدم ڈگمگائے گزر گیا، وہ قیامت میں بھی 'پل صراط' سے آسانی کے ساتھ گزر جائے گا۔

وضو میں تاکید یہ ہے کہ پانی ٹھنڈا ہو گرم نہیں۔ سردیوں میں بھی گرم پانی سے وضو کرنا قطعاً مفید اور باعث ثواب نہیں ہے۔ گرم پانی سے وضو صرف اُن بیماروں کے لیے ہے جن کو معالج منع کر دے۔ آج کل نفس کی پیروی میں سرد پانی سے گریز کیا جاتا ہے۔

اس طرح جب ہم وضو کر کے فارغ ہوتے ہیں تو ایک طرف ہمارے دل و دماغ و جگر اور اعضاء

وجوارح سے 'حرارتِ غریبہ' کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اُن کلمات کے انوار سے ہماری روح کو روشنی حاصل ہوتی ہے. جو شیطانی ظلمتوں کو مغلوب کر دیتی ہے۔ اس طرح وضو جو تمام عبادات کی جڑ ہے، ہمیں بڑی حد تک جسمانی و روحانی دونوں بیماریوں سے بچا لیتا ہے اور جب اس کے بعد ہم نماز اَدا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں نماز کا ثواب ہمیں تندرستی، اطمینانِ قلب، سکون اور استغنا کی صورت میں عطا فرماتا ہے. جو دُنیا میں کسی مذہب کے پیروکاروں کو نصیب نہیں ہے۔

(۸)۔۔۔غصہ فرو کرنے کے لیے پانی پینا یا وضو کرنا:

جب کوئی بات نفس کے خلاف واقع ہوتی ہے تو انسان کو غصہ آ جاتا ہے۔ غصہ اُس حرکت کا نام ہے جو اپنے آپ کو یا دوسروں کو تکلیف پہنچانے پر آمادہ کرتا ہے۔ تکلیف پہنچانا خالص شیطانی فعل ہے۔ اس لیے غصہ کو 'شیطان' کہا ہے، اور غصہ کو بہر حال مغلوب کرنا 'احسان' میں شمار کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۴﴾

اور غصہ کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کرنے والے، مغفرت اور جنت کے مستحق ہیں

اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ غصہ 'شیطان' ہے جو 'آگ' سے پیدا کیا گیا ہے تو پانی سے مدد لے کر اُسے آسانی سے مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ اسی حالت میں اگر ٹھنڈا پانی پی لیا جائے تو غصہ فرو ہو جاتا ہے، لیکن اگر نہ ہو، تو وضو کرنا چاہیے۔ اگر اوپر کی تفصیل کے مطابق صحیح وضو کر لیا جائے تو غصہ جاتا رہے گا۔ لیکن بفرضِ محال اگر 'شیطان' اس درجہ غالب ہے کہ وضو سے بھی مغلوب نہ ہو تو غسل کر ڈالیں، نماز پڑھ لیں، آرام سے لیٹ جائیں، غصہ کا مطلق اثر باقی نہ رہے گا۔

(۹)۔۔۔زمین کی گرمی کو دُور کرنا:

اس کا فائدہ ہر شخص جانتا اور عمل کرتا ہے، تفصیل کی ضرورت نہیں۔

(۱۰)۔۔۔جانوروں کو پانی پلانا:

یہ ضرورت بھی انسان کی عام ہے۔

اب انسان کی دو ضرورتیں باقی ہیں: (۱)۔۔۔روحانی علاج، اور (۲)۔۔۔جسمانی علاج۔

(۱۱)۔۔۔روحانی علاج پانی کے ذریعہ:

اگر ہم وضو اور غسل کی حقیقت اور اس کے استعمال سے واقف ہو چکے ہیں تو پانی کے ذریعہ تمام روحانی بیماری اور کثافت کو اپنے مسلسل عمل کے ذریعہ آسانی سے دُور کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور

پانی کے ذریعہ روحانی بیماریوں میں شفایابی میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

(۱۲)۔۔۔جسمانی علاج:

پانی کے ذریعہ جسمانی علاج ہی وہ اہم موضوع ہے جس کے لیے ان تمام تفصیلات وتوضیحات سے کام لیا گیا اور ہم اِسے نہایت تفصیل سے یہاں پیش کرتے ہیں۔

علاج بالماء:

پانی کا صحیح استعمال جس کا مفصل طریقہ اوپر لکھا گیا، ہم کو ہمیشہ تندرست رکھنے کے لیے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ جو لوگ اُس کے حکم کے ماتحت صحیح استعمال کریں گے، وہ تمام تکلیفوں سے نجات پائیں گے۔ اور مزید تفصیل تجربات کے بیان میں پیش کی جائے گی۔ مگر یہاں سوال یہ ہے کہ جب ہم 'خدا کی نافرمانی' اور 'قوانین فطرت کی خلاف ورزی' کے نتیجے میں اپنے جسم کے کارفرما مادّوں کو تباہ کر کے مستقل بیماریوں میں مبتلا ہو گئے ہیں تو انہیں کیسے زائل کر سکتیں ہیں؟ تو اس کے لیے بھی پانی کا صحیح استعمال کافی ہے۔ اس کے لیے صرف دو ۲ باتوں کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۱)۔۔۔ اپنے 'شیطان' کو فوراً مغلوب کریں اور یہ کام اپنے 'پیڑو' کو نہایت ٹھنڈے پانی سے بالکل ٹھنڈا رکھ کر انجام دیا جاتا ہے۔

(۲)۔۔۔ فاسد مادوں کو 'نضج' دے کر قابل اخراج بنائیں اور یہ کام اپنے جسم کو 'مسلسل گرم' اور پیڑو کو 'مسلسل ٹھنڈا' کر کے انجام دیا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ فاسد مادے پیڑو کی طرف کھنچ کر خارج ہو جاتے ہیں اور جلد کے قریب کے تمام مادے پسینہ سے خارج ہو جاتے ہیں اور ایک وقت معین پر ہمارا جسم تمام فاسد مادوں سے پاک ہو کر حقیقی شفا حاصل کر لیتا ہے۔

بیماری جو عام طور پر انسان کو لاحق ہوتی ہے، تین ۳ قسم کی ہے:

۔۔۔ایک سازجی بیماری، دوسری مادی بیماری اور تیسری عضوی بیماری۔

(۱)۔۔۔ **سازجی بیماری:** وہ ہے جس میں صرف روح حیوانی، نفسانی اور طبعی متاثر ہو کر تکلیف دہ عوارضات پیدا کرتی ہے یعنی مادّے میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ اِس کے لیے پیڑو کو ٹھنڈا کرنا کافی ہے۔ سازجی بیماریوں میں یہ عمل جو ہم ابھی بتائیں گے، اتنا زود اثر ہے کہ کوئی دوا، کوئی انجکشن اور کوئی بھی طریق علاج اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پندرہ ۱۵ منٹ کے بعد ہر قسم کی سازجی تکلیف کم ہونا شروع ہوتی ہے اور آدھ گھنٹہ میں مطلق رفع ہو جاتی ہے اور اگر پیڑو کو گرم ہونے سے بچالیں تو دوبارہ واپس نہیں لوٹتی۔

ہم خدا کی قدرت کے سایے میں ساری دُنیا کے حکیموں، ڈاکٹروں اور معالجوں کو چیلنج کرتے

ہیں کہ وہ مقابلے میں آ کر ساز جی بیماریوں کو اس سے پہلے شفا دے کر دکھائیں، لیکن واللہ وہ ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ ان ساز جی بیماریوں میں لُو، دھوپ، سردی اور گرمی کے اثرات، چکر، سر کا درد، سیلان الدم، بے خوابی، اختلاج، بلڈ پریشر اور تکان وغیرہ، وہ کسی نام سے ہوں جس میں مادّہ متاثر نہ ہوا ہو، پہلے عمل سے زائل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس وقت شیطان اپنی 'کیفیتِ ناریہ' میں غالب ہوا ہے اور کسی مادّے کو خراب نہیں کر سکا ہے۔

جب پیڑ و ٹھنڈا کیا جاتا ہے تو اُس کا جوش ختم ہو جاتا ہے اور صحت بحال ہو جاتی ہے اور یہ عام تجربہ ہے کہ اُن 'ساز جی اثرات' میں جب غسل کیا جاتا ہے تو تکلیف دُور ہو جاتی ہے۔

(۲)۔۔۔ مادّی بیماری: لیکن اگر جسم کے مادوں میں سے کوئی ایک یا کئی مادے خراب ہو گئے ہیں تو روزانہ ایک گرم اور ایک ٹھنڈا عمل پابندی کے ساتھ اُس وقت تک کیا جائے گا جب تک وہ فاسد مادہ جسم سے بالکل خارج نہ ہو جائے۔ اگرچہ 'مادی بیماری' میں اس کی نوعیت کے اعتبار سے ایک معینہ مدت صبر و انتظار کے ساتھ گزارنا ضروری ہوتا ہے لیکن مرض و تکلیف برداشت کی حد سے باہر نہیں ہونے پاتی۔

ان 'مادّی بیماریوں' میں ہر ایک اصولِ علاج بظاہر تکلیف دہ علامات کو دُور کرنے کا ضرور دعویٰ کر سکتا ہے لیکن مستقل شفا کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اُس نے بیماری کو دُور نہیں کیا ہے، صرف 'علامات' کو دُور کیا ہے۔ یہ علاج علامات کو دُور نہیں کرتا بلکہ اصل 'بیماری' کو دُور کرتا ہے، اس لیے دیر لگتی ہے۔ اور جب علامات دُور ہو جاتے ہیں تو ہم مریض کو خوش خبری دے سکتے ہیں کہ وہ مستقل شفایاب ہو گیا ہے اور اب بیمار نہ ہو گا۔

(۳)۔۔۔ عضوی بیماری: اور اگر بیماری مادّوں سے گزر کر 'عضوی خرابی' تک پہنچ گئی ہے تو اُس علاج میں زیادہ دیر لگتی ہے کیوں کہ اس علاج کو تین ۳ کام کرنے ہوتے ہیں۔ پہلے شیطان کو مغلوب کرتا ہے، پھر مادوں کی اصلاح کرتا ہے اور اس کے بعد عضوی نقص کو دُور کرتا ہے۔ اور جب یہ تینوں مرحلے کامیابی کے ساتھ طے ہو جاتے ہیں تو شفائے کلی حاصل ہو جاتی ہے اور مرض کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ اور قرآنِ کریم سے اس طرح تصدیق ہوتی ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ۔۔۔ الخ ﴿۵:۱۲﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کے لیے بارہ ۱۲ نقیب پیدا کر دیے اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اگر تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ دو گے، اور رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور اُن کی مدد کرو گے اور خدا کو قرض دو گے تو ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں

جنت میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور تم ہمیشہ اُس میں رہو گے،

اور اس کے بعد جس نے کفر کیا تو وہ یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

اِس آیت میں بارہ [۱۲] نقیب کو مترجمین نے بارہ [۱۲] سردار سے ترجمہ کیا ہے۔ بارہ [۱۲] گروہ کے لیے بارہ [۱۲] سرداروں کی موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں کیا ضرورت تھی؟ 'منتخب اللغات' میں نقیب کے معنیٰ 'مہتر و دانندۂ قوم'۔ ہیں اور 'غیاث' نے نقابت کے معنیٰ 'ستودن'، 'تعریف' کرنا لیے ہیں۔ اس لیے اس آیت سے بھی ہمارے معنیٰ کو بڑی تقویت پہنچتی ہے کہ جب بارہ [۱۲] فوائد رکھنے والا ایک چشمہ موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا گیا اور سب کو اُس کا فائدہ بتا دیا گیا تو اُن میں سے اُن بارہ [۱۲] فوائد کے جاننے والے پیدا ہو گئے، اور انہوں نے پانی سے اُن بارہ [۱۲] ضرورتوں کو پورا کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ اَب ہم تمہارے ساتھ ہیں، اگر یہ کام کرتے رہو گے تو ہم تمہیں دُنیا میں بھی بیماری کے عذاب و تکلیف سے بچائیں گے اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رکھیں گے۔ اِس آیت میں پانچ [۵] باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے انسان سے عہد لیا ہے:

(۱)۔۔۔نماز (۲)۔۔۔زکوٰۃ (۳)۔۔۔ایمان بالرسول

(۴)۔۔۔امداد رسول (۵)۔۔۔خدا کو قرض دینا۔

طریق عمل:۔۔۔ پیڑو ٹھنڈا کر کے شیطان کو مغلوب کرنا: یہ عمل تین [۳] طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

۱۔تطفیہ ۲۔نطول ۳۔تغریق

(۱)۔۔۔**تطفیہ:** کپڑے کی ایک گدی ٹھنڈے پانی میں تر کر کے مسلسل پھیرنا۔۔یا۔۔رکھ لینا۔ جب ٹھنڈے پانی کی گدی پیڑو پر پھیری۔۔یا۔۔رکھی جاتی ہے تو وہ پیڑو کی گرمی سے جلد ہی گرم ہو جاتی ہے۔ اِسے بار بار ٹھنڈے پانی میں بھگونا۔۔یا۔۔ہوا میں ہلا کر ٹھنڈا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ عمل بغیر کسی نقصان کے احتمال کے، مسلسل۔۔یا۔۔بار بار کیا جا سکتا ہے، کسی حالت میں مضر نہ ہو گا۔

(۲)۔۔۔**نطول:** ٹھنڈا پانی لوٹے کی باریک دھار سے پیڑو پر بہانا اور ملائم کپڑا پھیرتے رہنا۔ یہ عمل اِتنی دیر کیا جاتا ہے جب تک تکلیف کی شدت کم نہ ہو جائے۔ ضرورت کے مطابق اس کے اوقات مقرر کریں۔ 'سازجی بیماریوں' میں یہ ٹھنڈے عمل کافی ہیں۔ 'تغریق' میں پانی کا پورا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ 'نطول' میں نصف اور 'تطفیہ' میں چوتھائی۔ بہتر فائدے کے لیے صبح ناشتے سے قبل اور شام کو کھانے سے قبل 'ٹھنڈا غسل' بہت مفید ہے۔ لیکن 'مادی اور عضوی امراض' میں صرف ٹھنڈے پانی کا عمل کافی نہیں بلکہ ان کے ساتھ مادوں کو پکانے، اُبھارنے اور پیڑو کی طرف امالہ کرنے کے لیے ایک 'گرم غسل' ضروری ہے۔

گرم غسل دو ۲ طریقے پر لیا جاتا ہے، ایک 'غسل شمسی' اور دوسرا 'انکباب'۔

غسلِ شمسی: دھوپ میں اوڑھ کر لیٹتے ہیں یہاں تک کہ پسینہ خوب آجاتا ہے۔

۔۔۔اس کے لیے سورج کی شعاعوں اور اُن کے اثرات کو جاننا ضروری ہے۔

سورج سے دو ۲ قسم کی کرنیں ہم تک پہنچتی ہیں۔ 'شعاعِ نوری' اور 'شعاعِ ناری'۔ اِن دونوں کے اثرات جداگانہ ہیں۔ 'شعاعِ نوری' ہمیں 'نور' پہنچاتی ہیں اور 'شعاعِ ناری'، 'حرارتِ ناریہ' (حرارت غریہ) اور جب ہم اِن دونوں کو ایک ساتھ قبول کرتے ہیں تو 'نور و نار' کے اثرات مخلوط ہوتے ہیں اور جداگانہ اثر کم ظاہر کرتے ہیں لیکن جب ہم انہیں الگ الگ استعمال کرتے ہیں تو 'نور' کا اثر 'نوری' اور 'نار' کا اثر 'ناری' پورا پورا حاصل ہوتا ہے۔ ہم اپنے مادّوں کو پکانے اور اُبھارنے کے لیے 'نور' کو روک کر صرف 'نار' سے کام لیتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر موسم میں ایک گدّا اور رضائی الگ الگ دھوپ میں پھیلا دیتے ہیں اور جب وہ ضرورت کے مطابق گرم ہوجاتے ہیں تو گدے پر لیٹ کر رضائی اوڑھ لیتے ہیں، اس طرح کہ روشنی اور ہَوا کا گزر نہیں ہوتا۔ برداشت ہو تو سر بھی ڈھک لیتے ہیں ورنہ سر کھول دیتے ہیں لیکن سر پر دھوپ نہیں پڑنے دیتے، اور کسی نہ کسی طرح سر کو سایے میں رکھتے ہیں خواہ وہ دیوار کا ہو۔۔۔یا۔۔۔درختوں کی ہری شاخوں کا۔ اور اتنی دیر دھوپ لیتے ہیں کہ اچھی طرح سارے جسم میں پسینہ آجائے۔ ابتدا میں کم آتا ہے لیکن دو چار روز میں مسامات اچھی طرح کھل جاتے ہیں تو خوب آنے لگتا ہے۔ پھر پسینہ پونچھ کر فوراً 'پیڑو' کا ٹھنڈا عمل کرتے ہیں جس سے دھوپ کی حرارت کا اثر ہمارے جسم سے بالکل خارج ہوجاتا ہے۔ مادہ جتنا اُبھرا ہے وہ پیڑو کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور شیطان جو گرمی سے مدد پاکر خوشی میں جامے سے باہر ہوگیا تھا، ٹھنڈے پانی کی سردی سے مضمحل ہوجاتا ہے۔

روزانہ۔۔۔یا۔۔۔دوسرے روز۔۔۔یا۔۔۔ہفتہ میں ایک بار مسلسل دھوپ لینے سے دھیرے دھیرے مادہ پکتا رہتا ہے اور خارج ہونے کے لیے پیڑو کی طرف آتا رہتا ہے۔

انکباب کا طریقہ:

ایک خالی چارپائی۔۔۔یا۔۔۔آرام کرسی کے چاروں طرف پردہ ڈال کر نیچے صندوق سا بنالیں اور اُس پر لیٹ کر۔۔۔یا۔۔۔کرسی پر بیٹھ کر اوپر سے لحاف اوڑھ لیں۔ پھر حسبِ ضرورت ایک۔۔۔یا۔۔۔دو ۲ دیگچیاں کھولتے ہوئے پانی کی سرپوش سے ڈھک کر رکھ دیں، اور آہستہ آہستہ سرپوش ہلا کر تھوڑی تھوڑی بھاپ نکالیں اور حسبِ برداشت بدن میں لگنے دیں۔ 'غسلِ شمسی' کے مقابلے میں جلد پسینہ آتا ہے۔ ضرورت کے مطابق روزانہ۔۔۔یا۔۔۔دوسرے روز۔۔۔یا۔۔۔ہفتہ میں ایک دن بھاپ لیں اور اُس کے بعد فوراً 'پیڑو' کا

عمل لازم جانیں۔ خود عمل کرنے سے رفتہ رفتہ تجربہ ہو جاتا ہے اور پروگرام بنانے میں آسانی ہوتی ہے اور اگر ممکن ہو تو اس کے تجربہ کار لوگوں سے مشورہ کر کے پروگرام بنالیں اور آنکھ بند کر کے اُس پر پورا پورا عمل کرتے جائیں۔ ایک مریض کے لیے ایک ٹھنڈا اور ایک گرم غسل کافی ہوتا ہے اور کبھی پروگرام میں باری باری دونوں گرم غسلوں سے کام لیا جاتا ہے۔

اس علاج کی دو بڑی رکاوٹیں:

اس علاج میں دو۲ رکاوٹیں اتنی بڑی ہیں کہ اول تو اسے شروع ہی نہیں کرنے دیتیں اور اگر شروع کر دیا جائے تو قائم نہیں رہنے دیتیں۔ ان میں سے ایک داخلی رکاوٹ ہے اور دوسری خارجی۔ داخلی رکاوٹ ہمارے اندر کا شیطان ہے جو اس علاج کی شفایابی پر اعتقاد قائم نہیں ہونے دیتا، اور چونکہ ٹھنڈے پانی سے شیطان کو ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسی ہمیں آگ سے، اس لیے وہ اس سے گریز کرتا ہے اور ہمیں ٹھنڈے پانی سے بچاتا ہے۔ ہم اس تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے ہیں اور ٹھنڈا پانی پیڑو پر استعمال کرنا خصوصاً سردی کے زمانے میں ہمیں بڑا مشکل نظر آتا ہے۔

ہم ایلوپیتھی علاج میں بڑی ہمت سے سوئیاں چبھواتے ہیں، بڑے بڑے آپریشن کراتے ہیں، مگر ٹھنڈے پانی کی وقتی عارضی اور معمولی تکلیف کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اس کے لیے بڑے عزم و ہمت اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔ ورنہ شیطان کبھی مغلوب نہ ہوگا اور نہ شفا تک پہنچنے دے گا۔

خارجی رکاوٹ ہمارے دوست احباب رشتہ دار اور قریبی خیر خواہ ہیں۔ چونکہ اُن کو سرد و گرم عمل کو ملا کر غلط طریقے سے اختیار کرنے کی وجہ سے نقصان ہو چکا ہوتا ہے، اس لیے وہ منع کرتے ہیں کہ گرم کے ساتھ ٹھنڈا نہ ملاؤ اور مجھے اپنے کرم فرماؤں کی اس مشفقانہ رکاوٹ کا جو سامنا ہوا ہے، اُسے اپنے تجربات کے بیان میں تحریر کروں گا۔

غرض وہ لوگ جو اس قرآنی اور خدائی علاج کی طرف رجوع ہونے کا ارادہ کریں، انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہی عمل سردی اور گرمی کا، اگر خلاف اصول اور غلط طریقے پر کیا جائے گا تو نقصان ہوگا۔ اور اگر مرقومہ بالا طریقے پر صحت کے ساتھ کیا جائے گا تو اس کی تمام تر ذمہ داری قرآن کے سایے میں ہمارے اوپر عائد ہوگی اور ہم اس کے لیے بالکل تیار ہیں۔ جب کہ کوئی معالج تکلیف بڑھ جانے ۔۔یا۔۔ صحت یاب نہ ہونے کی کوئی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لیتا۔

یاد رہے کہ اس علاج میں ہمارے جسم کی چھپی ہوئی بیماریوں کا ظاہر ہونا تو ممکن ہے لیکن کسی

جسم کا نقصان۔۔۔یا۔۔۔تکلیف بڑھ جانے کا قطعاً اندیشہ نہیں ہے۔

جو لوگ اس کتاب کا ابتدائی مضمون پڑھ کر اس کے ’نظری کلیات‘ کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں، انہیں اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

بس یہ ہے ایک، اور مختصر علاج، ہمارے جسم کی تمام بیماریوں کو دُور کرنے کا۔ اسی ایک علاج سے ہم جسم کی تمام بیماریوں کو قطعاً اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زائل کر سکتے ہیں۔ اور ان بیماریوں کے دُور ہونے کے بعد اگر ہم قرآنی ہدایات پر جو اس سے پہلے بیان ہو چکی ہیں، ایمانداری کے ساتھ اچھی طرح عمل کرتے رہیں گے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ کبھی بیمار نہ ہوں گے اور قرآن کریم ہمارے اس دعوے کا گواہ ہے اور ہمارے تجربات سے جو آگے تحریر کریں گے، ثابت ہو جائے گا۔

علم الجراحت:

ایلوپیتھی کو جو فخر و غرور اپنے ’علم الجراحت‘ پر ہے اور جس کا ڈنکا آسمان پر بجانے کی کوشش کی جا رہی ہے، وہ ایمانداروں کے نزدیک افریقہ کی جنگلی اقوام کی وحشیانہ شعبدہ بازیوں سے زیادہ نہیں۔ یہ اعضا کا تبدیل کرنا، بے ہوش کرنا، مارفیا کا انجکشن لگانا، اندرونی آپریشنوں میں بے اعتمادی کے ساتھ مریض۔۔۔یا۔۔۔اس کے ورثا سے تحریر لے لینا، بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ جب وہ عضو کی اصلاح میں عاجز و ناکام ہوئے تو تبدیل کرنے کی نوبت آئی۔ اگر وہ عضو کی اصلاح میں کامیاب ہوتے تو تبدیل کرنے کی نوبت ہی نہ ہوتی۔ اور جب اپنے عمل اور ترکیب سے سکون پہنچا سکتے تو بے ہوش کرنے اور مارفیا کے انجکشن کی ضرورت نہ ہوتی۔

اب اس قرآنی اور خدائی علاج سے اپنے ایمان کی سلامتی کے ساتھ کام لے کر دیکھئے۔ سوائے ’ضرب خلع‘ اور ’شکست و ریخت‘ کے اگر کسی آپریشن کی ضرورت پڑ جائے تو ہمارا ذمہ۔

لوئی کوہنی کی ساری زندگی کے تجربات کے علاوہ تیس ۳۰ سال کے میرے ذاتی تجربات اس یقین و اعتماد کے لیے کافی ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو، وہ آزما کر دیکھ لے۔ اسی ایک پانی کے صحیح استعمال سے اگر ہر قسم کا پھوڑا پھنسی، کینسر، کاربنکل (سرطان) خنازیر، ناسور، بھگندر، جذام، اندرونی عضو۔۔۔یا۔۔۔ ہڈیوں کا پھوڑا وغیرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اچھا نہ ہو جائے تو میں ہر قسم کی سزا کا مستحق سمجھے جانے اور قتل کی سزا تک کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔

آپ کہیں گے یہ دعویٰ ہے اور کوئی دعویٰ کرنے والا سچا نہیں ہو سکتا۔ یقیناً اگر میرا یہ دعویٰ قرآن کریم کے دعوے کے ماتحت نہ ہوتا تو میری طرف منسوب ہوتا اور مجھے ہرگز اس دعوے کا حق نہ ہوتا۔

لیکن جب یہ دعویٰ میرا نہیں بلکہ قرآن کا ہے تو اس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔

پس اس علاج میں کسی آپریشن کی ضرورت ہی نہیں حتیٰ کہ ڈریسنگ کی تکلیف کی بھی نوبت نہیں آتی۔ پھوڑا خود بخود پک کر پھوٹ جاتا ہے۔ تمام زخم بغیر کسی مرہم اور تکلیف کے تیزی سے اچھے ہو جاتے ہیں۔ گہرائی سے کسی مادے کو دبا کر نکالنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ زخم خواہ کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو، ہر وقت بالکل صاف رہتا ہے اور تیزی سے اندمال کرنے میں یہ میرا تجربہ ہے کہ بڑے سے بڑا مفید 'مرہم' اس کے اندمال کو نہیں پہنچ سکتا۔

علاج وہی ایک ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ صرف مقامی استعمال کے لیے کپڑے کی گدی جو ململ کی ہوتی ہے کافی ہے۔ تمام زخموں کے آرام کے ساتھ اندمال کرنے کے لیے صرف ایک نکتہ ذہن میں رکھنا کافی ہے کہ زخم کو مندمل کرنے کے لیے سردی، نمی اور سکون کی ضرورت ہے۔ جس زخم کو یہ تینوں چیزیں حسبِ ضرورت مہیا ہوں گی، وہ تیزی کے ساتھ اچھا ہو جائے گا۔ اب ان تمام طریقوں اور دعووں کو ہمارے تجربات کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے۔

ذاتی تجربات:

راقم الحروف کی پیدائش ۱۹۰۴ء میں جبل پور میں ہوئی۔ جب میں سوا برس کا تھا تو میرے بڑے بھائی حافظ عبدالستار صاحب (عمر ۱۸ سال) نے بخار اور سرسام میں مبتلا ہو کر صرف تین ۳ دن کی علالت میں انتقال کیا۔ میرے والد منشی حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے اُس جوان العمر فرزند کی وفات کا غم اپنی ایمانی طاقت سے برداشت کیا اور اب چونکہ سوا میرے اور کوئی اولاد نہ تھی، اُن کی پوری شفقت و محبت میرے ساتھ وابستہ ہو گئی۔

پھوپھی اور والدہ صاحبہ فرماتی ہیں ''کہ تم اُس وقت نہایت تندرست اور فربہ اندام تھے (گھر کی ایک خادمہ جو لنگڑا کر چلتی تھی اور والد صاحب نے اپنے ایک خادم جمن کے ساتھ اس کا عقد کر دیا تھا، اُس کا ایک لڑکا شیر خوارگی میں فوت ہو چکا تھا) اچانک مانگ کر تمہیں اپنے گھر لے گئی۔ اور واپس آ کر بڑی خوشی کے ساتھ کہنے لگی۔۔۔

> ''بی بی! وہاں تھوڑی دیر تو بھیا کھیلتا رہا مگر پھر رونے لگا۔ کسی طرح چپ نہ ہوتا تھا۔ میں نے چپ کرانے کے لیے اسے اپنا دودھ پلایا تو بی بی پیٹ بھر کر اس نے دودھ پیا اور آرام سے سو گیا''۔

۔۔۔ بس وہ دن ہے اور آج کا دن کہ تم پھر کبھی تندرست نہ رہ سکے۔ ہمیشہ بیمار رہتے ہو اور برابر علاج ہوتا

رہتا ہے''۔

اور واقعی ہوش سنبھال کر میں نے صرف بیماری دیکھی۔ انہیں جستہ جستہ بیماریوں کے دوران والد صاحب نے مجھے قرآن حفظ کرایا اور حفظ کے دوران ہی 'حکایاتِ لطیف، آمدن نامہ اور گلستان کا دیباچہ' کھیل کود کے طریقہ پر دکھا دیا۔

جب ۱۹۲۱ء میں، میں نے پہلی بار بڑھیا کی مسجد میں محراب سنائی (یہ مسجد گھنٹہ گھر چوک، الہ آباد، کے سامنے بائیں ہاتھ پر ہے) تو والد صاحب نے 'مدرسہ مصباح العلوم' میں داخل کر دیا۔ وہاں میں نے فارسی اور عربی شروع کی، لیکن قبلہ والد صاحب کے ایک دوست حکیم طالب حسین گیاوی مدظلہم جو میرے ہی مکان میں رہتے تھے، والد صاحب کو مشورہ دیا کہ مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ ہی فارسی میں طب شروع کرا دی جائے۔

چونکہ والد صاحب میرے 'دائم المرض' ہونے سے ہمیشہ فکر مند رہتے تھے اور پہلے ہی سے طب کی تعلیم میرے لیے تجویز کر چکے تھے، رضا مند ہو گئے اور ۱۹۲۲ء سے میں نے گھر پر طب کی تعلیم شروع کر دی۔ دو۲ سال کی تعلیم کے بعد قبلہ حکیم صاحب نے مجھے 'وہاجیہ کالج، پل فرنگی محل لکھنؤ' میں داخل کرا دیا اور وہیں سے خود انہوں نے بھی طب کی سند حاصل کی تھی۔

۱۹۲۴ء میں، میں لکھنؤ چلا گیا اور فروری ۱۹۲۶ء میں طب کی سند لے کر مکان آیا تو والد صاحب نے شادی کر دی۔

اگرچہ میں طب کا فارغ التحصیل ہو چکا تھا لیکن میری تندرستی اب بھی بہتر نہ تھی۔ آئے دن بخار، زکام کا شکار رہتا، ذرا طبیعت سنبھلنے پاتی اور پھر شکایات شروع ہو جاتیں۔ پھر میں الور چلا آیا اور یہاں پر پہلا مطب شروع کیا۔

یہاں ابتدائی تجربات حوصلہ بخش تھے اور اکثر مشکل امراض میں اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیاب کیا، پھر بھی میں محسوس کرتا تھا کہ میری طبی واقفیت وصلاحیت میں ایسی کمی موجود ہے جس کو زائل ہو جانا چاہیے۔

اُسی زمانے میں میرے ایک کرم فرما نے مجھے لوئی کو ہنی کی کتاب 'قدرتی علاج شفا بخشی' مطالعے کے لیے دی اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان تھا کہ اس کے مطالعے سے میرے طبی نظریات کو قیمتی ارتقاء حاصل ہوا۔ اور میں نے 'اصول شفا بخشی' کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یقین کر لیا کہ یہ راستہ واقعی قدرت کا عطیہ ہے جو انسان کو حقیقی شفا تک پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اس یقین واعتماد کے باوجود شیطان نے میرے ذہن کو اس تلبیس میں مقید کر دیا کہ جب تک مخصوص حمام اور ضروری آلات، تھرمامیٹر، اسٹیمنگ اسٹریچر

(بھاپ لینے کا آلہ) اور باتھنگ ٹبس (ٹھنڈے غسل کے لیے ناندیں) نہ ہوں، ہم علاج شروع نہیں کر سکتے۔ اور یہ خیال اتنا غالب ہوا کہ اس کے خلاف فطرت کا یہ نکتہ نظر کے سامنے نہ آسکا کہ فطرت اور قدرت آلات کی محتاج نہیں ہے اور اس امید پر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا کہ جب میں یہ سامان اور آلات مہیا کر سکوں گا تو یہ علاج شروع کروں گا۔

اِس تلبیس میں جو سب سے بڑا نقصان میں نے کیا، وہ اپنی پہلی بیوی اور بچی کی ناوقت موت ہے۔ جب میں بعض وجوہ کی بنا پر اکور سے باندی کوئی چلا آیا تو وہاں میری بیوی اپنی پہلی بچی کی پیدائش کے بعد اپنے موروثی دِق (Inherited Tuberculosis) میں مبتلا ہوگئی (میری خوشدامن، ساس، صاحبہ کا انتقال بھی دِق میں ہوا تھا) پہلے تو میں نے 'یونانی' سے مدد لی، جب کوئی فائدہ نہ ہوا تو 'ایلوپیتھی' کی طرف رجوع کیا، پھر ڈاکٹروں کے مشورے سے 'قرمزی شعاعوں' کے ذریعہ علاج کیا گیا۔ لیکن موخر الذکر علاج نے اُسے بہت جلد موت کی آغوش میں پھینک دیا اور وہ صرف پانچ ماہ بیمار رہ کر انتقال کر گئی۔ بیوی کے انتقال کا غم جو فطرتاً ہر انسان پر ہوتا ہے اپنی جگہ، لیکن مجھے اپنی طبی صلاحیت پر بے اطمینانی اور جھنجھلاہٹ مستزاد تھی اور اس خیال سے شرمندگی ہوتی تھی کہ میں ایک مستند طبیب ہوں اور کچھ نہ کر سکا۔ لیکن اس خیال سے سہارا ملتا تھا کہ خدا نے اُس کو اتنی ہی مختصر زندگی دی تھی اور وہ اپنا وقت پورا کر کے چل بسی۔ جیسا کہ فی زمانہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے اور میں اپنی تسکین کو اس حقیقت سے مجروح کرنا نہ چاہتا تھا کہ یہ 'قضائے مبرم' نہیں بلکہ 'قضائے معلق' تھی جس کا میں خود ذمہ دار تھا۔ اگر 'قضائے معلق' کوئی چیز نہ ہو تو قاتل اور علاج میں غلطی کرنے والا معالج ہر قسم کے مواخذے سے بری الذمہ ہو جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور وہ جرم جو ایک قاتل پر عائد ہوتا ہے، وہی ایک طبیب پر عائد ہوتا ہے جس نے اپنے نقص علم، نیم حکمتی کی بنا پر انسانی زندگی کے ساتھ ایک تجرباتی کھیل اختیار کر کے اُسے موت کے منہ میں ڈھکیل دیا۔

عموماً اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ قاتل کی نیت مقتول کی ہلاکت پر مبنی تھی، اس لیے وہ قابل مواخذہ ہے اور طبیب کی نیت مریض کو فائدہ پہنچانے کی تھی، اس لیے وہ قابل مواخذہ نہیں ہے۔ یہ جواب شیطان کا محض ایک فریب ہے۔ اس لیے کہ کسی طبیب کو مریض کے علاج میں ایسی جرأت سے کام نہ لینا چاہیے جس پر اس کو کم از کم اسی ۸۰ فیصدی شفا کا یقین نہ ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل طبیب اور ڈاکٹر جن کو چالیس فیصدی بھی شفا کے تجربات نہیں ہوتے بلکہ ظنی اور وہمی گمان پر وہ مسلسل تجربات کرتے اور مریضوں کو ہلاکت میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔ اس صورت میں کیا یہ بہانہ کامیاب ہو سکتا ہے کہ اُن کی نیت نیک ہے اور وہ خدا کے یہاں جواب دہ نہ ہوں گے۔

دوسری ایک قوی دلیل یہ ہے کہ ایک طبیب جو مریض کی شفایابی میں قدم اُٹھاتا ہے اُس کا راستہ انسانوں کا بنایا ہوا ہے۔۔۔یا۔۔۔خدا اور رسول نے اُس راستے کی رہنمائی کی ہے۔ اگر اُس کا راستہ محض انسانوں کا بنایا ہوا ہے اور اُس پر خدا اور رسول کی طرف سے کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا، تو وہ راستہ باطل ہے۔ اگر مریض کی ہلاکت کا جرم اُس پر عائد نہ بھی کیا جائے تو باطل راستہ اختیار کرنے کا جرم اُس کے نامۂ اعمال سے کیوں کر مٹایا جا سکتا ہے۔ ہاں! جن اصول پر خدا کا حکم ناطق ہو اور رسول ﷺ کی سنت اور احادیث میں اُس کا ثبوت مل جائے وہ راستہ حق ہے، اور حق راستے کو اختیار کرنا اپنی جگہ نیکی ہے۔ اور اس راستے پر اگر مریض ہلاک ہو جاتا ہے تو بھی ایک ثواب ہے اور اس کی ذمہ داری طبیب پر عائد نہ ہوگی۔ کیوں کہ اُس نے خدا کے حکم اور رسول کی سنت کے مطابق مریض کو فائدہ پہنچانے کی نیت سے قدم اُٹھایا ہے اور چونکہ راہِ حق پر ہلاکت متعین نہیں کی گئی ہے، اس لیے ۹۵ فیصدی مریض کو شفا تک پہنچاتا ہے اور پانچ فیصدی جو شفا سے محروم رہ کر زندگی کی بازی ہار گئے وہ لامحالہ تقدیرِ الٰہی پر محمول کیا جائے گا اور طبیب اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ لیکن اس مسئلے کی یہ نزاکت آج کل طبیبوں اور ڈاکٹروں کے لیے قابلِ قبول نہ ہو گی اور وہ قولی اور فعلی قلابازیوں پر اتر آئیں گے۔ پھر بھی حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے اور ایک مسلمان حقائق کو تسلیم کرنے سے کبھی گریز نہیں کرتا۔ یہ صرف کفار کی صفت اور اُن کا مخصوص کردار ہے۔ بہر حال بیوی کے انتقال کے بعد میں جے پور چلا آیا۔ یہاں ایک قنوطی کیفیت طاری ہوئی اور جلد ہی میں 'تارک الدنیا' سا ہو کر آبادی سے دُور زندگی گزارنے لگا۔

والد صاحب کو جب میری اس غیر اسلامی حالت کا علم ہوا تو وہ خود جے پور تشریف لائے اور شہر میں ایک خالی مکان میں جو آسیب زدہ مشہور تھا، چند روز میرے ساتھ مقیم رہے اور مجھے وہاں مطب کرنے پر آمادہ کیا۔ جب مریض آنے لگے تو خود باندی کوئی واپس چلے گئے اور میں بہت جلد وہاں لکھنؤ والے طبیب کے نام سے مشہور ہو گیا۔ سائن بورڈ پر چونکہ 'مستند لکھنؤ والے' لکھا ہوا تھا، اس لیے لکھنؤ کا دُم چھلا لگا دیا گیا تھا۔

وہاں ایک مریضہ جو قریب المرگ تھی اور کئی بار اُس کے اعزا رو پیٹ چکے تھے، محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے شفایاب ہوئی اور میری شہرت اُسی ایک علاج سے دو چند ہو گئی۔ لیکن آب و دانہ نے یہاں بھی ایک سال سے زائد نہ رہنے دیا اور والد صاحب مجھے لے کر الہ آباد چلے آئے جہاں میری طبی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ میں نے یونانی علاج کی کمی کو ہومیو پیتھی سے پورا کرنے کی کوشش کی اور جلد ہی میں یونانی دوائیں چھوڑ کر صرف ہومیو پیتھک دواؤں سے علاج کرتا رہا۔

الٰہ آباد پہنچ کر میری بچی شیر خوارگی سے نکل کر دوڑنے بھاگنے لگی تھی، نمونیہ میں مبتلا ہو کر چل بسی۔ نہ یونانی کام آئی نہ ہومیوپیتھی، اور ایک مرتبہ پھر میں اپنی نااہلیت سے شرمندگی کی دلدل میں جا پھنسا۔ اس وقت میں 'مشیت الٰہی' کا وہ خاص اشارہ نہ سمجھ سکا کہ اس طرح جھنجھوڑ کر اللہ تعالیٰ مجھے صراط مستقیم کی طرف لانا چاہتا ہے اور میں اندھیرے میں صبر و شکر کا سہارا لیے آگے بڑھتا رہا۔ بچی کے انتقال کے بعد والد صاحب نے زور دے کر میرا دوسرا نکاح کر دیا، جس سے دسویں ماہ ایک لڑکا اور ایک سال کے بعد ایک لڑکی اور تیسرے سال پھر ایک لڑکا ہوا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ قدرتی شفا بخشی کی طرف مجھے کھینچ لیا جائے۔

اب بھی اکثر میں زکام، بخار اور مختلف عوارضات میں مبتلا ہوتا رہتا تھا۔ یعنی بچپن سے جو عادت پڑ گئی تھی، وہ کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا رکھتی تھی۔ اب کی زکام، بخار میں جو مبتلا ہوا تو اس کا سلسلہ طویل ہونے لگا، میں نے چنداں پروا نہیں کی۔

ایک روز میرے ایک دوست بھوانی پرشاد کا ئستھ جن کو 'ویدک' سے کافی شغف تھا، مجھ سے ملنے کے لیے آئے، حال احوال پوچھنے کے بعد میری نبض دیکھی اور کہا:

---کیا تم اپنی نبض دیکھتے ہو؟۔

---میں نے کہا: اپنی نبض دیکھنے کی عادت نہیں ہے، دل اور دماغ سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے۔

---انہوں نے کہا: اپنی نبض دیکھئے، میں نے نبض پر ہاتھ رکھا، سریع، غیر منتظم اور دَوری تھی جو 'حرارتِ دقیہ' پر دلالت کرتی ہے، میں نے کہا واقعی آپ کا شبہ درست ہے۔ میں نے اس بیماری میں پہلی مرتبہ اپنی نبض دیکھی ہے، یہ حرارت دقیہ بتاتی ہے۔

انہوں نے توجہ کے ساتھ علاج کرنے کی تاکید کی اور کہا بے پروائی سے کام نہ لیجیے، ابتدا میں اس کا علاج آسان ہوتا ہے ورنہ آپ مشکل میں پھنس جائیں گے۔

اُن کے جانے کے بعد یکا یک میرے دردِ سر اور بخار میں اضافہ ہو گیا۔ اور اس خیال نے کہ مجھے 'دق' شروع ہو گیا ہے میری حرارت کو پوری تقویت پہنچائی، اور ایک ہفتہ کے اندر بخار نے ہڈیاں جلانا شروع کر دیں۔

چونکہ میں اپنی بیوی (مرحومہ) کے علاج میں تجربہ کر چکا تھا اور ناکامی نے مایوسی کی ایک ہیبت ناک شکل دماغ پر مسلط کر دی تھی، اس لیے میں مرنے کے لیے تیار ہو گیا اور سمجھ بیٹھا کہ جس طرح میری بیوی اس جان لیوا مرض سے نہ بچ سکی میں بھی صحت یاب نہ ہو سکوں گا۔

اور یہی وجہ تھی کہ یونانی یا ہومیو پیتھی کی طرف ٹوٹ کر رجوع نہ ہو سکا، جب تکالیف برداشت سے باہر ہونے لگیں اور کھانسی نے خوفناک شکل اختیار کرنی شروع کی تو والد صاحب نے فرمایا کہ اب تم ڈاکٹری علاج کرو۔ میں نے جواب دیا کہ ڈاکٹری علاج پر مجھے مطلق اعتقاد نہیں ہے، اور میں اُس کے نظریاتی نقائص سے اچھی طرح واقف ہوں اور ایک مرتبہ بہت کچھ تجربہ کر چکا ہوں۔ اس لیے 'آزمودہ را آزمودن جہل است'۔ میں اپنی زندگی کے لیے غلط راستہ کیوں اختیار کروں۔ اگر موت مقدر ہے تو میں اُس کے لیے تیار ہوں۔

اس جواب سے والد صاحب کو بہت رنج ہوا اور انہوں نے میرے بچپن کے دوست اور ساتھی مولوی عبدالحق صاحب (منے بھائی) کو جو میری موجودہ بیوی کے پھوپھی زاد بھائی بھی ہوتے تھے، میرے پیچھے لگا دیا کہ وہ مجھے کسی تجربہ کار ڈاکٹر کے پاس لے جائیں اور بہر صورت میرا علاج کرائیں۔ وہ اپنے بے حد اصرار کے ساتھ مجھے اپنے بڑے بھائی مولوی انوار الحق کے خسر ڈاکٹر زاہد حسین کے پاس لے گئے، اور کہا۔۔۔ یہ میرے دوست ہی نہیں عزیز بھی ہیں اور میرے ماموں شیخ محمد عبدالغفور صاحب ضلعدار کے داماد ہیں۔ آپ ان کو اچھی طرح دیکھ کر مشورہ دیجیے۔ انہوں نے مجھ سے علامات نہیں پوچھیں، پہلے نبض دیکھی، پھر اسٹیتھسکوپ سے بغور سینہ دیکھتے، پھر پیٹ کو ہر طرف سے ٹٹولا اور اطمینان سے بیٹھ کر فرمانے لگے۔ میں اپنے تجربات کی بنا پر آپ کو ایک صحیح مشورہ دیتا ہوں، آپ ایک بوتل 'انجیرس املشن' کی لے لیں اور اُس کو استعمال کرتے ہوئے سیدھے بھوالی چلے جائیں، وہاں سینی ٹوریم (Sanitorium) میں کورس پورا کرنے کے بعد آپ بالکل اچھے ہو جائیں گے۔ اگر آپ نے یہاں کسی ڈاکٹر کے ہاتھ میں خود کو سپرد کر دیا تو میرے نزدیک شفا کی کوئی امید نہیں ہے۔

جب منے بھائی نے آ کر والد صاحب کو یہ فیصلہ سنایا تو وہ تیار ہو گئے اور مجھے حکم دیا کہ میں بھوالی روانہ ہو جاؤں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہی تھی کہ میں اس کے لیے تیار نہیں ہوا۔ میں نے جواب دیا کہ موت سے بھاگ کر بھوالی جانا نہیں چاہتا۔ اگر بھوالی میں مجھے زندگی مل سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت مجھے یہاں بھی زندگی عطا کرے گی، اور اگر یہاں زندگی نہیں مل سکتی تو بھوالی میں بھی موت میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔

میں نے دیکھا کہ والد صاحب کا چہرہ اپنے جوان بیٹے کی ہلاکت کے تصور سے افسردہ ہو گیا ہے۔ وہ مجھے میرے حال پر چھوڑ کر خدا کے سامنے گریہ وزاری اور دُعاؤں میں مصروف ہو گئے۔

وقت کے ساتھ ساتھ عوارضات شدت اختیار کرتے جا رہے تھے اور میں نے اب تک کوئی

علاج شروع نہیں کیا تھا۔ ایک دن دوپہر کے وقت بخار اور درد سر میں اتنی شدت ہوگئی کہ میں رونے لگا۔ بے چینی میں میرے منھ سے آوازیں نکلنے لگیں اور یہی وہ وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا ایک نور میرے قلب پر وارد ہوا۔ میں نے سوچا کہ میں قدرتی علاج کی شفا بخشی پر ایمان لا چکا ہوں۔ لیکن اس کو شروع کیوں نہیں کرتا، یہی نا! کہ میرے پاس آلات نہیں ہیں، تو اگر اس علاج کا فطری ہونا مسلّم ہے تو فطرت کو کسی تعلیم ۔۔۔یا۔۔۔ آلات کی کوئی احتیاج نہیں۔ مچھلی کے جائے کن تیرائے۔ میں کیوں آلات کی قید میں مبتلا ہوں۔ آلات سے جو مقصد حاصل ہوتا ہے کہ بھاپ سے گرم کیا جائے اور ٹھنڈے پانی سے پیڑو کو ٹھنڈا کیا جائے تو یہ بغیر آلات کے بھی ممکن ہے۔

میں اپنی بیوی کو جو میری تکلیف سے بے حد پریشان تھیں، کہا کہ ایک دیگچی پانی کھولا کر لے آؤ سرپوش نہ کھولنا۔ وہ جلد ہی پانی کھولا کر لائیں۔ میں نے سر کے گرد بڑا تولیہ لپیٹ کر اُس کا دوسرا سرا دیگچی کو پہنا دیا اور بیوی سے کہا کہ سرپوش آہستہ آہستہ کھول کر تھوڑی تھوڑی بھاپ نکالیں۔ میں چارپائی پر تکیہ سے اوپر سرک کر لیٹا ہوا تھا، نیچے سے بھاپ سر میں لگنے لگی، میں نے محسوس کیا کہ جیسے جیسے سر میں بھاپ لگ رہی ہے اور پسینہ آرہا ہے ویسے ویسے سر کا درد ہلکا ہو رہا ہے۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد اگرچہ بخار اپنی جگہ تھا لیکن سر کا درد موقوف ہو گیا تھا۔ پھر میں نے گھڑے کا ٹھنڈا پانی منگوایا اور پیڑو پر آہستہ آہستہ ڈالنے کے لیے کہا۔ بیوی نہایت فرمانبرداری سے پیڑو کا عمل کرتی رہی۔ تھوڑی دیر میں جب پیڑو بالکل ٹھنڈا ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ بخار اس حد تک کم ہو گیا ہے کہ میں آرام محسوس کر رہا ہوں۔ بے چینی اور اختلاج کی کیفیت ختم ہو گئی ہے۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کھانا مانگا اور کھانے کے دوران سوچتا رہا کہ آدھ گھنٹہ قبل میری کیا حالت تھی اور اس آدھ گھنٹہ میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ کیا کوئی ایک خوراک دوا ۔۔۔یا۔۔۔ انجکشن اس قلیل وقت میں اور بغیر تکلیف کے یہ فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ اور کیا یہ صحیح طریق علاج نہیں ہے؟ اپنی حالت کو دیکھ کر مجھے بڑی تقویت حاصل ہوئی اور میں نے بیوی سے کہا۔۔۔ اب یہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم میرا علاج کر کے مجھے اچھا کر لو۔۔۔یا۔۔۔ مرنے کے لیے چھوڑ دو۔ وہ بیچاری متحیر ہو گئی، بولی۔۔۔ بھلا میں کیا کر سکتی ہوں، جو کہو گے میں اُسے پورا کروں گی۔

۔۔۔میں نے کہا: بس تو سمجھ لو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور شفا دے گا۔

میں تین ۳ گھنٹہ تک اطمینان سے لیٹا رہا، کوئی تکلیف مجھے نہیں تھی، لیکن رفتہ رفتہ بخار میں تیزی شروع ہوئی اور درد سر بڑھنے لگا۔ میں نے اب کی دو ۲ دیگچی کھولتا ہوا پانی منگوایا اور چارپائی کے نیچے رکھ

کر سارے بدن میں بھپارا لیا، خوب پسینہ آیا، پھر فوراً پیڑو پر ٹھنڈا پانی دھیرے دھیرے بہانا شروع کیا۔ اس مرتبہ بخار اتنا کم ہوگیا کہ میں سمجھا کہ اب بخار ہے ہی نہیں اور سر کے درد کا کہیں پتا نہ تھا۔ رات بھر نہ بخار تیز ہوا اور نہ درد سر۔

اس پہلے تجربے نے میرے ایمان و اعتقاد کو بڑی تقویت پہنچائی اور مجھے یقین ہوگیا کہ اس علاج سے میں شفایاب ہو جاؤں گا۔

دوسرے دن بازار سے دو ٹب لے آیا اور پیڑو پر بہانے کی بجائے ٹب میں پانی بھر دیتا اور بھپارے کے بعد فوراً اس میں بیٹھ جاتا۔ صبح کو ناشتہ سے قبل ٹب میں بیٹھتا۔ پھر ناشتہ کرتا۔ دوپہر کو بھاپ لیتا اور فوراً ٹب میں بیٹھ جاتا اور شام کو کھانے سے پیشتر ٹب میں بیٹھ کر بھاپ لیتا اور اسے میں نے اپنا معمول بنالیا۔ اُس عمل سے میرے قلب و دماغ کو بہت سکون ملتا۔ حرارت کسی وقت آگے نہ بڑھتی، لیکن کھانسی کی تکلیف زیادہ ہوگئی تھی۔ بار بار تکلیف دہ کھانسی کی آواز سن کر والد صاحب پریشان ہونے لگے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ٹھنڈے پانی کا استعمال تمہیں نقصان کر رہا ہے، کھانسی بڑھ گئی ہے، ٹھنڈا پانی بند کر دو۔ میں نے کہا۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں، میں نے شفا کا صحیح راستہ پالیا ہے اور آپ دیکھیں گے کہ میں بہت جلد اچھا ہو جاؤں گا۔

ابھی ایک ہی ہفتہ گزرا تھا کہ کھانسی میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ لیکن فرق یہ تھا کہ پہلے کھانسی کم آتی تھی، تکلیف زیادہ ہوتی تھی، بلغم مشکل سے خارج ہوتا تھا۔ اب کھانسی زیادہ آتی تھی تکلیف کم ہوتی تھی اور بلغم آسانی سے خارج ہو جاتا تھا۔ میں خود یہ فرق محسوس کر کے مطمئن تھا۔ لیکن والد صاحب کھانسی کی زیادتی سے بہت پریشان تھے، وہ سمجھ رہے تھے کہ کھانسی بڑھ رہی ہے تو یہ علاج مجھے نقصان کر رہا ہے۔ پہلے خود انہوں نے اس علاج کو ترک کر دینے کا مشورہ دیا لیکن جب میں نے اُن کو مطمئن کر کے اُسی علاج پر قائم رہنے پر اصرار کیا تو چونکہ اُن کو میری باطنی حالت کا علم نہیں تھا کہ میں کتنا مطمئن ہوں، اس لیے وہ سمجھے کہ میں اس غلط علاج پر اپنی ضد کی وجہ سے اصرار کر رہا ہوں۔ انہوں نے میرے دوستوں کو میرے پیچھے لگا دیا کہ وہ مجھے قائل کر کے اس علاج سے روکیں۔ چنانچہ دوستوں نے متفق ہو کر میرے اوپر سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی، ایک نے کہا:

۔۔۔ کیا بیمار طبیب جس کا ذہن بھی بیمار ہوتا ہے، اپنا علاج خود کر سکتا ہے؟۔

عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ حکیم اور ڈاکٹر اپنا علاج خود نہیں کر سکتے اور نہ کرنا چاہیے۔ وہ ہمیشہ دوسروں سے علاج کراتے ہیں۔ اُس وقت میرے ذہن میں یہ جواب نہیں تھا کہ ہر جانور اپنا علاج

خود کرتا ہے۔ جب وہ حیوان مطلق ہو کر اپنا علاج خود کر سکتا ہے تو انسان اپنا علاج کیوں نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا۔۔۔ نہیں! بیمار طبیب اپنا علاج خود نہیں کر سکتا۔

۔۔۔ پھر آپ اپنا علاج کیوں کر رہے ہیں؟

۔۔۔ یہ ایک بالکل نیا تجربہ ہے، میں اس علاج کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

۔۔۔ اپنے اوپر کوئی ایسا تجربہ کرنا جس کے نشیب و فراز سے آگاہی نہیں ہے، کون سی عقلمندی ہے؟

۔۔۔ میرے خیال میں یہ نظریہ صحیح نہیں ہے، ورنہ نئے تجربات کی راہ ہمیشہ کے لیے مسدود ہو جاتی۔

۔۔۔ پھر بھی آپ دیکھیں کہ اگر اس ناتجربہ کاری میں مشورہ کا کوئی مقام آیا تو آپ کس سے مدد لیں گے؟

۔۔۔ میرا یقین ہے کہ مجھے کسی مشورہ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

۔۔۔ ہمارے خیال میں آپ جان بوجھ کر خود کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، قرآن ہم کو منع فرماتا ہے:
لَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُم اِلَى التَّهْلُكَةِ۔۔۔ تم اپنے ہاتھ سے ہلاکت کی طرف نہ جاؤ، یعنی ہلاکت کا سامان نہ کرو

۔۔۔ ہم اس زمانے میں تو ڈاکٹروں سے آپریشن کرانے کے لیے، یہ جانتے بوجھتے کہ اس میں اسّی ۸۰ فیصدی ہلاکت کا خوف ہے، ہم بخوشی و رضامندی ڈاکٹر کے ُباز دعوے ُپر دستخط کر دیتے ہیں، اس وقت ہماری پیٹھ ٹھونکی جاتی ہے کہ ہم کس قدر بہادر ہیں۔ جب کہ آپریشن کا علاج غیر فطری طریقوں، قساوت قلبیوں اور تجرباتی ناامیدیوں کی بنیاد پر قائم کیا جاتا ہے۔

۔۔۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ جب سے آپ نے یہ علاج شروع کیا ہے، آپ کی حالت بگڑتی جارہی ہے، اور ہم ہی نہیں آپ کے والد صاحب بھی ایسے رنج و غم میں مبتلا ہیں کہ وہ ہمیں بار بار مجبور کرتے ہیں کہ ہم آپ کو سمجھائیں۔ آپ اپنے والد کا اور اُن کی شفقت کا احترام کیجیے، ایسا نہ ہو کہ آپ کی ضد اُن کے ضعیف قلب کے لیے ناقابل برداشت صدمہ بن جائے۔

۔۔۔ مجھے اپنے خدا سے امید ہے کہ ایسا نہیں ہوگا، میں شفا کے صحیح راستے پر آ گیا ہوں اور جب میں اچھا ہو کر اپنے والد صاحب کو سلام کروں گا تو ان کی یہ تمام کلفتیں اور تشویشیں خوشیوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اور وہ خدا کا شکر اَدا کریں گے۔

اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایتوں سے چالیس ۴۰ دن کے اندر ہی میں اُس قرآنی علاج سے اپنی اُس مہلک اور جان لیوا بیماری (دق۔ Tuberculosis) پر قابو پا چکا تھا۔ والد صاحب اور میرے وہ دوست واحباب جو کہ اُس علاج (علاج بالماء۔ Hydropathy) کے دوران مجھے اُس علاج کو ترک کر دینے کا مشورہ دے چکے تھے اور تقریباً میری زندگی سے ناامید ہو چکے تھے، مجھے صحت یاب دیکھ کر انگشت

بدنداں رہ گئے۔

اب میں نے اِس طریق علاج کو اپنا معمول بنالیا تھا اور ہر قسم کے مختلف اور پیچیدہ امراض میں اُسی ایک 'علاج بالماء' کا تجربہ کرتا رہا۔

اور لاکھوں لاکھ احسان ہے اُس خداوند قدوس وارحم الراحمین کا جس نے ہر مشکل امراض میں مجھے کامیاب کیا اور ایسے ایسے حیرت انگیز نتائج سامنے آئے جو بیان سے باہر ہیں۔

۱۹۴۸ء میں پاکستان چلا آیا۔ اُس وقت سے اب تک اُسی ایک علاج سے کام لیتا رہا اور جس مریض پر ہاتھ ڈالا، اللہ تعالیٰ نے اُسے شفا عطا فرمائی اور آج بھی میرے وہ بچے اور عزیز و احباب جو اس قدرتی اصولِ علاج کو اپنائے ہوئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کسی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جا کر جسمانی یا روحانی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی، جو کہ آج کل کے مریضوں کو ایسے ڈاکٹروں یا حکیموں کے پاس جا کر اٹھانا پڑتی ہے جن کو 'مثبت و منفی' کا کوئی علم نہیں، جیسا کہ اس کتاب میں مفصل طور پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

آخر میں، میں اپنے تمام کرم فرماؤں کو خالی الذہن ہو کر اس کتاب کے مطالعے اور اللہ تعالیٰ اور اللہ کے حبیب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کی طرف (یعنی صراطِ مستقیم کی طرف) آنے کی دعوت دیتا ہوں اور یہ یقین دلاتا ہوں کہ جو شخص بھی خلوص و استقلال کے ساتھ اس اصولِ علاج و شفا کی طرف قدم بڑھائے گا، وہ اللہ کے حبیب کے وسیلے سے ہر قسم کے امراض سے نجات پائے گا۔

وَمَا تَوفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ. (ختم شد)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نظم۔۔۔صابرؔ بن ذوقی

علاج بالماء

جس پر خود قرآن ہو شاہد
کیسے بیاں ہوں اُس کے محامد
مشکل تر امراض کا واحد
ہے یہ 'علاج الماء البارد'

آدم کی اولاد کا دشمن
سرکش، ناری، فاسد، حاسد
پانی ہے ابلیس کی دوزخ
دل پہ ہوا یہ نکتہ وارد

صبر کیا، ایوب نے پایا
صحت والا ماءِ بارد
حیرت سے سب چونک پڑیں گے
پڑھ کر عالم وعابد وزاہد

تصنیف ہے یہ 'طب القرآن'
اس کے مصنف میرے والد
سیدھا، سچا، صاف اور ستھرا
بے شک ہے یہ رستہ واحد

کوئی مرض ہو اِس سے مدد لو
شافی دوا ہے ماءِ بارد
ہائڈرو پیتھی کے عامل تھے
عالم و عارف والد ماجد

فطرت کے اسرار سے صابرؔ
خوب تھے واقف ذوقی حامد

تشریح لغات

ا

اَبنائے زمانہ:۔ زمانہ ساز لوگ، زمانے کے لوگ۔

اختلاط و تخبط:۔ میل جول اور اٹکل سے بے راہ چلنا۔

ادعیہ:۔ دُعا کی جمع۔

ادیان:۔ دِین کی جمع۔

ازالہ:۔ زائل کرنا، دُور کرنا، مٹانا، ہٹانا۔

ازدیاد:۔ زیادتی، اضافہ۔

استرداد:۔ رَد کرنا، واپس لینا، واپسی چاہنا۔

اشتباہ:۔ گمان، شبہ، شک۔ دو چیزوں کا اس طرح ہم شکل ہونا کہ دھوکا ہو جائے۔

اشکال:۔ مشکل پیش آنا، دقت، دشواری، مشکل۔

اضمحلال:۔ پژمردگی، افسردگی۔

اطبائے متعصبین:۔ غیر مسلم طبیب۔

اعتدال:۔ میانہ روی، درمیانی درجہ۔

اغوا و اضلال:۔ گمراہ کرنا، بہکانا، ورغلانا۔

افاقہ:۔ مرض میں کمی، تکلیف میں کمی۔

امالہ:۔ مائل کرنا۔

امتنان:۔ احسان کرنا۔

اَمرِ محال:۔ ناممکن کام۔

انبساط:۔ خوشی، شادمانی۔

انقباض:۔ گرفتگی، تنگی، قبض۔

ب

بادیُ النظر:۔ ابتدائی نظر میں، سرسری نظر میں۔

باز دعوے:۔ دعوے سے دستبردار ہونا، نالش واپس لینا۔

برزخِ کبریٰ:۔ بڑی آڑ، پردہ، روک۔

بطون:۔ راز، بھید، حال۔

بطی الیسرا:۔ وہ جو آہستہ آہستہ حرکت کرے۔

بنصر:۔ بیچ کی انگلی، اور چھنگلیا کی درمیانی انگلی۔

پ

پیڑو:۔ انسان کی ناف سے نیچے کا حصہ۔

ت

تادب:۔ اخلاق حسنہ۔

تخشع:۔ عاجزی، انکساری۔

تذکیر:۔ یاد دلانا۔

تشعشع:۔ چمک دمک، شعاع افگنی، روشن ہونا۔

تصنع:۔ دکھاوا۔

تعفن:۔ سڑاند، بدبو، عفونت۔

تعطل:۔ التوا، بیکار، خالی ہونا۔

تغیرات:۔ تغیر کی جمع۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں جانا۔

تفویض:۔ سپردگی، حوالگی۔

تلبیس:۔ فریب، مکر، دغا۔

تیقن:۔ یقین، اعتبار۔

﴿ح﴾

حارج:۔ روکنے والا، مزاحمت کرنے والا۔
حجاب اکبر:۔ بڑا پردہ، بڑی روک، بڑی نقاب۔
حسی:۔ محسوس کی جانے والی۔
حنجرہ:۔ نرخرہ، حلق، گلو۔

﴿د﴾

دقائق:۔ دقیقہ کی جمع: باریکیاں، نکتے۔
درخورِ اعتناء:۔ توجہ کے قابل۔

﴿ر﴾

رائل:۔ نہایت عمدہ۔
رجعت قہقری:۔ اُلٹے پاؤں واپس ہونا، سابقہ حالت کی طرف لوٹنا۔
رفع:۔ دُور کرنا۔

﴿ز﴾

زائل:۔ دُور ہونے والا، کم ہونے والا۔
زمہریر:۔ سخت جاڑا، نہایت سردی۔

﴿س﴾

سریع السریان:۔ تیزی سے اثر کرنے والا۔
سریع الیسر:۔ جلد اثر کرنے والا۔
سمع خراش:۔ بُری لگنے والی آواز، کان کھانے والی آواز۔
سہل الحصول:۔ آسانی سے حاصل ہونے والا۔

﴿ش﴾

شامہ:۔ سونگھنے کی قوت۔۔یا۔حس۔
شرور:۔ شر کی جمع، بُرائیاں۔
شیونات:۔ صورتیں، حالتیں۔

﴿ص﴾

صنعت:۔ کاریگری۔
صواب:۔ نیکی، نیک کام، درست عمل۔

﴿ع﴾

عُقدہ:۔ مشکل بات، پیچیدہ بات۔
عمیق:۔ گہرا، کامل۔
عوارضات:۔ عارضہ کی جمع: امراض، دکھ، بیماریاں۔

﴿ف﴾

فاعل:۔ کام کرنے والا۔

﴿ق﴾

قساوت:۔ سنگدلی، بے رحمی۔
قلتین:۔ پانی کے ایسے دو ۲ ظروف جن میں دس من پانی آجائے۔
قنوطی:۔ زندگی کا تاریک پہلو دیکھنے والا، مایوس، ناامید۔
قیافہ:۔ اندازہ، قیاس۔ایک علم جس کے ذریعہ انسان کے خدوخال سے اس کے عادات اور کردار کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

﴿ک﴾

کثیف:۔ دبیز، گاڑھا۔
کلفت:۔ رنج، تکلیف، ہیبت۔
کلیات:۔ اصول، فارمولے۔
کنایہ:۔ اشارہ سے مطلب ظاہر کرنا، صاف الفاظ میں نہ کہنا۔

﴿ل﴾

لرزہ براندام:۔ وہ جس پر کپکپی تاری ہو، کانپنے والا۔

لغو محض:۔ مہمل، بے معنی، بے فائدہ، بے کار۔

﴿م﴾

مالاینحل:۔ جو حل نہ ہو سکے۔ مشکل مسئلہ۔

مالوف:۔ مانوس، محبوب، پیارا۔

مانع:۔ روکنے والا، سد راہ، منع کرنے والا۔

مبادیات:۔ ابتدائی اصول، بنیادی باتیں۔

متہلک:۔ ہلاک ہونے والا۔

مثبات:۔ جو منفی نہ ہو۔

محیرالعقول:۔ عقلوں کو حیرانی میں ڈالنے والے

مخاطبت:۔ کلام، بات۔

مخلوط:۔ ملا جلا، گڈمڈ۔

مرضا:۔ مریض کی جمع۔

مرئی:۔ جو چیز دیکھنے میں آئے، جس کو دیکھ سکیں۔

مستزاد:۔ بڑھایا گیا، زیادہ کیا گیا۔

مسدود:۔ بند کیا گیا، روکا گیا۔

مسلوب:۔ سلب کیا گیا، چھین لیا گیا۔ مٹایا گیا۔ نابود کیا گیا۔

مشرح:۔ صاف، مفصل، واضح۔

مصنوع:۔ صنعت کیا ہوا، بنایا ہوا۔

مضمحل:۔ کمزور، دبلا پتلا، ناتواں، لاغر۔

معروفات:۔ نیکیاں، نیک باتیں۔

مفقود:۔ کھویا ہوا، غائب، ناپید، ندارد۔

مکدر:۔ ملول، ناراض، رنجیدہ، غمگین۔

ملل:۔ اندوہ، غم، تنگی۔

مندمل:۔ بھرنے والا (زخم)۔

منہیات:۔ منہی کی جمع: منع کی گئی، ممانعت کی گئی، رد کی گئی۔

موٗدت:۔ پیار، محبت، دوستی۔

مہمل:۔ بے ہودہ، فضول۔

﴿ن﴾

نفخ:۔ جوش، گرم۔

نوع:۔ قسم، جنس۔

﴿و﴾

وجدان:۔ ذکاوت، جاننے اور دریافت کرنے کی قوت۔

ودیعت:۔ امانت، سپردگی۔

﴿ی﴾

یمین ویسار:۔ دائیں بائیں۔

﴿ہماری دیگر مطبوعات﴾

---اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'---

از: محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمۃ

مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ قرآن کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا---''شہزادے آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہیں''۔

---سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی---

از: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی

(۱۰ جلدوں پر مبنی آسان اردو تفسیر قرآن)

---الاربعین الاشرفی---

از: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی

(۴۰ احادیث شریفہ کی محققانہ تشریح، مشکوٰۃ شریف، باب ایمان)

---قانون شریعت---

از: حضرت علامہ مفتی احمد شمس الدین رضوی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ

(۲۵۰۰ مسائل پر مبنی جدید ایڈیشن)

---جمال الٰہی---

از: شیخ الاسلام حضرت سید ابو الفیض قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

---فیضان سہروردیہ مع آداب المریدین---

از: محمد عبد السلام سہروردی

Would You Like To Know Something About Islam

Mohammad Masood Ahmed

Essentials Of Islam

Mohammad Masood Ahmed

مسئلۂ رؤیت ہلال اور احکام صیام کا تحقیقی جائزہ اور الاربعین فی دلیل السالکین (اردو)

از۔ شیخ عماد الدین بن احمد بن ابی نجاۃ ۔۔۔ مترجم: علامہ محمد سجاد حسین شامی

مسلم پرسنل لاء ۔۔۔ یا ۔۔۔ اسلامک لاء؟

از۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی

۔۔۔علاوہ ازیں۔۔۔

مقالات شیخ الاسلام ۔۔۔ مسئلۂ سلام وقیام ومحفل میلاد ۔۔۔ تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین محبت رسول روح ایمان ۔۔۔ دین کامل ۔۔۔ فریضۂ دعوت وتبلیغ ۔۔۔ حدیث نیت کی شرح ۔۔۔

ان تمام کتب کے انگلش تراجم۔

Allah

The Prophet of All Prophets	Ramadan
101 Islamic Terms	The Name Muhammad
The Burial Process of a Muslim	Our Daughters

ان شاءاللہ عنقریب انگریزی ترجمہ قرآن اور سیرت رسول ﷺ پر ایک عظیم الشان کتاب شائع کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ قانون شریعت اور جمال الٰہی کا انگریزی ترجمہ بھی ہمارے پروگرام کا حصہ ہے۔

غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کے لیے بہترین کتاب۔۔۔

Would You Like To Know Something About Islam

۔۔۔ کا فرنچ اور اسپینش زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے جبکہ البانیہ کی زبان، ہالینڈ کی ڈچ زبان اور جرمنی زبان میں کام چل رہا ہے ۔۔۔ مزید براں ۔۔۔ اردو، ترکی، ہندی اور عربی میں بھی اس کتاب کے تراجم لانے کا انتظام ہو رہا ہے

"ان تمام نعمتوں کے لیے ہم رب العزت کے بے انتہا شکر گزار ہیں"

آپ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے۔

۳۰ مئی ۲۰۱۸ء +1-914-319-3839

GIM

گلوبل اسلامک مشن انک
نیویارک، یو ایس اے

Printed in Pakistan

9 789957 233129